10/-

جناب زبدة السالکین عمدة العارفین محی السنة ماحی البدعة حضرت مولانا ومرشدنا خواجہ حاجی حافظ **محمد حسن** صاحب مجددی دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشین درگاہ ٹنڈہ سائیں داد ضلع حیدرآباد (سندھ) نے

رسالہ نافعہ

العقائد الصحیحة فی تردید الوہابیة النجدیة

معہ ترجمۂ اردو

زیر نگرانی واہتمام حکیم ابو الریاحین معراج الدین احمد نقشبندی عفی

مدیر اخبار الفقیہ امرتسر

مطبع الفقیہ پرنٹنگ پریس امرتسر بازار ابدالیاں میں طبع ہو کر شائع ہوا

سنہ ۱۳۶۰ھ

سنہ ۱۹۴۱ء

قد اعتنى بطبعه طبعة جديدة بالأوفست

حسين حلمى بن سعيد استانبولى

IŞIK KİTABEVİ
DARÜŞŞAFAKA CADDESİ NO. 72
P. K. 35 FATİH - İSTANBUL
TURKEY
1978

جناب زبدة السالکین عمدة العارفین محی السنّة ماحی البدعة حضرت مولانا و مرشدنا
خواجہ حاجی حافظ **محمد حسن** صاحب مجددی دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشین
درگاہ ٹنڈہ سائیں داد ضلع حیدرآباد (سندھ) نے

رسالہ نافعہ

العقائد الصحیحة فی تردید الوهابیة النجدیة

معہ ترجمہ اردو

زیر نگرانی و اہتمام حکیم ابو الریاض معراج الدین احمد نقشبندی عفی
مدیر اخبار الفقیہ امرتسر

مطبع الفقیہ پرنٹنگ پریس امرتسر بازار ماہا میں طبع ہو کر شائع ہوا

سنہ ۱۳۶۰ھ — سنہ ۱۹۴۱ء

قد اعتنى بطبعه طبعة جديدة بالأوفست
حسين حلمى بن سعيد استانبولى
يطلب من المكتبة ايشيق بشارع دار الشفقة بفاتح ٧٢
استانبول - تركيه
١٣٩٨ هجرى ١٩٧٨ ميلادى

فہرس العقائد الصحیحۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی والصلوۃ والسلام
علی نبیہ ورسولہ المصطفی وعلی
آلہ واصحبہ البررۃ التقی
امابعد فیقول العبد الضعیف
محمد حسن الفاروقی الحنفی
انی رأیت فی ھذا الزمان اختلافا
کثیرا بین الحنفیۃ والوھابیۃ
فی العقائد حتی فی الالٰھیات و
الرسالۃ ومسائل الشریعۃ
المتعلقۃ بالعقائد وانجر اختلافھم
الی تکفیر البعض بعضا وافترقت
الامۃ افتراقا فاحشا فاردت
اظھار عقائد اُھل السنۃ
والجماعۃ فی جزء مراعیا للاختصار
مجتنبا عن ذکر اقاویلھم الا
بقدر الضرورۃ راجیا حفظ
عقائد المسلمین عن الزیغ والزلل
لعل اللہ ینفع بہ عبادہ
فانہ علی ما یشاء
قدیر وبالاجابۃ
جدیر۔ ولیعلم انی ما
استدل فی ھذہ الرسالۃ
بالاحادیث الشریفۃ و

الحمد للہ وکفی۔ والسلام علی نبیہ
ورسولہ المصطفی وعلی آلہ
واصحابہ البررۃ اھل التقی۔
حمد وصلوٰۃ کے بعد عبد ضعیف محمد حسن فاروقی
حنفی گذارش کرتا ہے کہ عہد حاضر میں وہابیہ
اور حنفیہ کے درمیان کمال اختلاف پڑا ہوا
ہے عام عقائد میں حتی کہ الٰہیات میں اور مفہوم
رسالت میں اور ان مسائل شرعیہ میں بھی اختلاف
ہے جو عقائد سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ اختلاف
اب ایک دوسرے کی تکفیر تک پہنچ چکا ہے
جس کی وجہ سے امتِ محمدیہ میں ناگفتہ بہ
تشتت وافتراق پڑ گیا ہے اس لئے میں نے یہ
ارادہ کرلیا ہے کہ اس مختصر سی کتاب میں
اہل السنت والجماعت کے عقائد مختصر طور پر
بیان کروں۔ اور حتی الوسع مخالفین کے اقوال
نقل کرنے سے کنارہ کش رہوں مگر بقدر
ضرورت نقل بھی کروں گا اور خدا سے امید کرتا
ہوں کہ وہ مسلمانوں کو کجروی اور اغلاط سے محفوظ
رکھ کر اس کتاب کی طفیل سے ان کو فائدہ بخشیگا
آئندہ خدا مالک ہے جو چاہے کرے اُسی کی
بارگاہِ عالی میں میری درخواست منظور ہو سکتی
ہے۔ واضح رہے کہ میں اس رسالہ میں عموماً نہ
احادیث شریف سے دلیل پیش کروں گا نہ

اقوال الائمة والعلماء الاقلياء
توقيا لساحتهم السنية عن
شر السنتهم الشنيعة فانهم
ان لم يوافق حديث بمعتقداتهم
قالوا هذا ضعيف او موضوع
وان استدل بذلك الحديث
اكابر الامة كالغزالی والسيوطی
وامام الحرمين والشيخ
عبد الحق الدهلوی
والشيخ علی القاری وامثالهم
فی كتبهم وان لم يوافق رايهم
قول الائمة واكابر الدين تعرضوا
لقدحهم وسبهم فالی الله المشتكی
فاستمسك غالبا فی ترديد
اباطيلهم بالآيات القرآنية
التی لا يأتيه الباطل من بين
يديه ولا من خلفه تنزيل من
حكيم حميد ومع ذلك اراعی
الانصاف فی محل الاختلاف وما
اصر علی باطل وسميت الرسالة
(بالعقائد الصحيحة) واقدم ما ذكره
الامام حجة الاسلام محمد الغزالی
رحمه ربه فی باب التوحيد
والالهيات والرسالة

اقوال ائمہ سے اور نہ اقوال علمائے اسلام سے
مگر بقدرِ ضرورت پیش کرتا جاؤں گا۔ تاکہ ان کی
قابلِ قدر قیاسات شرعیہ مخالفین کی بدزبانی
سے محفوظ رہیں کیوں کہ ان کی عادت
ہے کہ کوئی حدیث جب ان کے خیال کے
مطابق نہ ہو تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ وہ ضعیف
ہے یا موضوع ہے اگرچہ اکابر اسلام
نے اس حدیث کو استدلال کے موقعہ پر
پیش کیا ہو، چنانچہ جناب امام غزالیؒ امام سیوطیؒ شیخ
عبد الحق محدث دہلویؒ اور محدث ملا علی قاریؒ
وغیرہم ایسے استدلال پیش کر چکے ہیں
اور مخالفین حسب عادت ائمہ دین اور اکابرِ
اسلام کے ایسے استدلات جب دیکھتے ہیں تو
ان کے حق میں گستاخی کرنا شروع کر دیتے ہیں
خدا ہی ان کو سنبھالے۔ اس لئے میں عموماً اس
موقعہ پر قرآنی آیات ہی پیش کروں گا جس کی
مخالفت اِدھر اُدھر سے نہیں ہو سکتی کیونکہ
وہ خدائے حکیم و حمید کا کلام ہے۔ علاوہ ازیں
موضع اختلاف میں انصاف سے فیصلہ کروں گا
اور قولِ باطل پر قدم نہ جماؤں گا۔ اس کے بعد
اس رسالہ کا نام میں نے اَلْعَقَائِدُ الصَّحِیحَۃُ
رکھا ہے۔ اب سب سے پہلے میں وہ مضمون
لفظ بہ لفظ پیش کرتا ہوں، جو حضرت امام حجۃ الاسلام
محمد الغزالی رحمہ اللہ نے توحید اور الہیات اور منصب

بلفظه من کتابه قواعد العقائد فانه فی غایة الجودة فقال رحمة الله علیه الحمد لله المبدء المعید الفعّال لما یرید ذی العرش المجید والبطش الشدید الهادی صفوة العبید الی المنهج الرشید و المسلك السدید المنعم علیهم بعد شهادة التوحید۔ بحراسة عقائد هم من ظلمات التشکیك والتردید۔ المسالك بهم الی اتباع رسوله المصطفیٰ صلی الله علیه وسلم واقتفاء اثار الصحابة الاکرمین المکرمین بالتائید والتسدید المتجلی لهم فی ذاته وافعاله بمحاسن اوصافه التی لا یدرکها الا من القی السمع وهو شهید المعرف ایاهم انه فی ذاته واحد قدیم لا اول له ازلی لا بدایة له مستمر الوجود لا اخر له ابدی لا نهایة له قیوم لا انقطاع له

رسالت کے متعلق اپنی کتاب قواعد العقائد میں بیان کیا ہے کیوں کہ وہ مضمون اس مقام کے لئے بہت ہی موزوں ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ الحمدُ لِلّٰہِ المُبْدِئِ المُعِیدِ الفَعَّالِ لِمَا یُرِیدُ ذی العرشِ المجیدِ وَالبَطشِ الشَّدِیدِ الہَادِی صَفوَۃَ العَبِیدِ الی المنہجِ الرشیدِ۔ وَ المَسلَکِ السَّدِیدِ۔ المُنعِمِ علیہِم بعد شہادۃ التوحیدِ بِحَراسَۃِ عقائدِہِم مِن ظُلُمَاتِ التَّشکِیکِ وَالتَّردِیدِ۔ خدا تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو جناب رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری کے لئے انتخاب کر لیا ہوا ہے اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے نقش قدم پر چلنے کے لئے چن لیا ہے اپنی تائید اور توفیق سے خدائے تعالیٰ اپنی ذات اور اپنے افعال میں اپنے اوصاف حسنہ کے ذریعہ سے انہیں جلوہ گر ہے مگر ان صفات کو وہی دریافت کر سکتا ہے جو غور سے سنے اور خدا کو حاضر و ناظر سمجھے۔ اس نے یہ بھی انکو بتا دیا ہے کہ وہ اپنی ذات میں یگانہ ہے ایسا قدیم ہے جس کی ابتدا نہیں۔ ہمیشہ موجود ہے جس کی آخری حد نہیں۔ ازل و ابد میں موجود ہے جس کی انتہا نہیں مستقل بالذات ہے کسی قسم

دائم لا انصرام له لم یزل
ولا یزال موصوفا بنعوت
الجلال لا یقضی علیه بالانقضاء
والانفصال بتقدم الاباد
وانقراض الاجال بل هو
الاول والاخر والظاهر
والباطن وهو بکل
شئ علیم۔

(التنزیه) وانه لیس بجسم
مصور ولا جوهر محدود
ومقدر وانه لا یماثل
الاجسام فی التقدیر ولا فی قبول
الانقسام وانه لیس بجوهر
ولا تحله الجواهر ولا بعرض
ولا تحله الاعراض بل لا
یماثل موجودا ولا یماثله
موجود لیس کمثله شئ ولا
هو مثل شئ وانه لا یحده
المقدار ولا تحویه الاقطار
ولا یحیط به الجهات ولا تکتنفه
الارضون ولا السموات وانه
مستو علی العرش
علی الوجه
الذی قاله

کی کسر اس کی ذات میں باقی نہیں، دائم
وقائم ہے، جس کا خاتمہ نہیں۔ صفات جلالیہ
کے ساتھ ازلی وابدی موجود ہے۔ اس کے
متعلق یہ کبھی فیصلہ نہیں دیا جاسکتا کہ
اس کی دائمی زندگی کے اوقات ختم ہو چکے
ہیں یا اس کی مدت حیات گذر چکی ہے
وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے
وہی باطن ہے اور وہی ہر چیز کو ہمیشہ سے
جانتا بھی ہے (تقدیس الٰہی یوں ہے کہ)
خدا کسی جسم اور صورت میں نہیں نہ محدود
چیز ہے جس کا تخمینہ لگایا جائے۔ کسی جسم کی
مثل بھی نہیں کہ اس میں قیاس لگایا جائے
یا اس کی تقسیم ہو سکے۔ نہ وہ ٹھوس مخلوق ہے
نہ غیر مستقل چیز ہے جو دوسرے کے آسرے
سے پائی جائے۔ نہ وہ صفاتی چیز ہے نہ صفاتی
ناپائدار چیزوں کا مرکز ہے۔ وہ کسی ہستی کی
مثل نہیں۔ نہ کوئی ہستی اس کی مثل ہے
بلکہ اس کی مثال کی بھی مثال نہیں اور نہ
اس کی مثال کسی چیز کی مثل ہے۔ کوئی مقدار
اس کو محدود نہیں کرتی۔ نہ اطراف اس کو
اپنے اندر سمیٹ سکتے ہیں۔ کوئی جہت اسے
اپنے احاطہ میں نہیں لاسکتی۔ زمین و آسمان
بھی اسے نہیں سنبھال سکتے۔ وہ اپنے عرش
پر قائم ہے مگر اسی طرح جو اس نے خود کہا ہے

وبالمعنى الذی اراده
استواءً منزهًا عن المماسۃ
والاستقرار والتمکن والحلولِ
والانتقالِ لا یحملہ العرش
بل العرش وحملتہ محمولون
بلطف قدرتہ ومقهورون
فی قبضتہ وھو فوق العرش
والسماء وفوق کل شیٔ الیٰ
تخوم الثرٰی فوقیۃً لا
تزیدہ قربًا الی العرش
والسماء کما لا تزیدہ
بعدًا عن الارض والثرٰی
بل ھو رفیع الدرجات
عن العرش والسماء کما
انّہ رفیع الدرجات عن
الارض والثرٰی وھو مع ذلک
قریبٌ من کل موجود
وھو اقرب الی العبد من
حبل الورید وھو علیٰ
کل شیٔ شہید ولا یماثل
قربہ قرب الاجسام کما لا
یماثل ذاتہ ذات الاجسام
وانّہ لا یحل فی شیٔ ولا
یحل فیہ شیٔ تعالیٰ عن ان

اور اسی کیفیت سے جو اس کے اپنے ارادہ
میں ہے اس کا وہ قیام اتصال اور چھونے
سے بالاتر ہے۔ اور اندراج اور جذب سے
الگ ہے۔ اس میں انتقال بھی نہیں۔
عرش اُسے اٹھائے ہوئے بھی نہیں بلکہ
وہ خود اپنے عرش کو اور اس کے اٹھانے
والے فرشتوں کو اپنے دستِ قدرت
سے اٹھائے ہوئے ہے اور اس کے
قبضہ میں مغلوب ہیں۔ وہ عرش پر ہے
اور آسمان پر بھی بلکہ تحت الثرٰی تک
ہر چیز پر فائق ہے۔ یہ فوقیت نہ اسے
آسمان اور عرش کے قریب کرتی ہے
اور نہ زمین اور تحت الثرٰی سے دُور لے
جاتی ہے۔ وہ عرش و آسمان سے بالاتر
مرتبہ رکھتا ہے جس طرح کہ زمین اور تحت
الثرٰی سے بالاتر ہے، تاہم وہ ہر چیز کے
قریب ہے اور شہ رگ سے زیادہ اپنے
بندہ کے قریب ہے اور ہر چیز کا نگران حال
بھی ہے کیوں کہ وہ اس طرح قریب نہیں
جس طرح کہ جسم قریب ہوتے ہیں اور اسی
طرح اس کی حقیقت کسی جسمانی حقیقت
سے نہیں ملتی۔ نہ وہ کسی میں حل اور
تبدیل ہوتا ہے اور نہ کوئی چیز اس میں
حل اور تبدیل ہو سکتی ہے۔ وہ اس امر

يحويه مكان كما تقدس
عن ان يحده زمان بل كان
قبل ان خلق الزمان والمكان
وهو الآن على ما عليه
كان وانه بائن من خلقه
بصفاته ليس فى ذاته
سواه ولا فى سواه ذاته
وانه مقدس عن التغير
والانتقال لا تحله الحوادث
ولا تعتريه العوارض بل
لايزال فى نعوت جلاله
منزها عن الزوال وفى
صفات كماله مستغنيا
عن زيادة الاستكمال و
انه فى ذاته معلوم الوجود
بالعقول مرئي الذات
بالابصار نعمة منه ولطفا
بالابرار فى دار القرار واتماما
للنعيم بالنظر الى وجهه الكريم
الحيوة والقدرة وانه تعالى
حيٌّ قادرٌ جبارٌ قاهرٌ لا
يعتريه قصور ولا
عجز ولا تاخذه
سنة ولا نوم

سے بھی بالاتر ہے کہ کوئی مکان اسے اپنے
اندر سمیٹ لے جس طرح کہ اس امر سے بھی
بالاتر ہے کہ کوئی زمانہ اسے محدود کرے
بلکہ وہ خود زمانہ اور مکان پیدا کرنے سے
پہلے موجود تھا۔ اور اب بھی اسی طرح موجود
ہے، جیسا کہ پہلے تھا۔ وہ اپنے صفات
میں اپنی مخلوق سے نرالا ہے۔ اس کی ذات
میں اس کا غیر موجود نہیں نہ غیر میں وہ موجود
ہے۔ وہ تغیر و تبدل سے پاک ہے نہ حوادث
اس میں جاگزیں ہیں اور نہ صفاتی ناپائدار
حالات اس میں موجود ہیں بلکہ وہ اپنے
جلال میں موجود ہے اور زوال سے پاک
ہے۔ وہ اپنے صفاتِ کاملہ میں موجود ہے
کسی اور تکمیل کی اسے ضرورت نہیں صرف
عقل سے اس کا وجود معلوم ہوسکتا ہے
اس کی ذات بھی آنکھ سے دیکھی جاسکتی
ہے، جب کہ دوسری دنیا میں اپنے نیک
بندوں پر فضل و کرم کی نگاہ کرے گا اور
اپنے مبارک چہرہ کے دیدار سے ان کی
تکمیل نعمت کرے گا۔ (خدا کی زندگی اور طاقت
کا بیان یہ ہے کہ) وہ زندہ، طاقتور، صاحب
قدرت، ہر چیز پر غالب، ہر شکستہ دل کا
سہارا ہے۔ اس میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں
اور نہ عاجزی۔ نہ اسے نیند آتی ہے نہ اونگھ۔

ولايعارضه فناءٌ ولاموتٌ
وانّه ذوالملك والملكوت
والعزّة والجبروت له
السلطان والقهر والخلق
والامر والسموات مطويات
بيمينه والخلائق مقهورون
في قبضته وانّه المنفرد
بالخلق والاختراع
المتوحّد بالايجاد و
الابداع خلق الخلق
واعمالهم وقدر ارزاقهم
وآجالهم لايشذّ عن
قدرته مقدورٌ ولا
يعزب عن قدرته
تصاريف الامور لا
تحصى مقدوراته ولا
تتناهى معلوماته العلم
وانّه عالم بجميع
المعلومات محيط
علمه بما يجري
في تخوم الارضين
الى اعلى السموات
وانّه عالم لايعزب
عن علمه مثقال

اور نہ اسے فنا اور موت سے پالا پڑا ہے۔
وہ حکومت اور بندوبست کا مالک ہے
عزت اور غلبہ کا بھی مالک ہے۔ مخلوق
پر تسلط اور غلبہ اُسی کا ہے۔ وہی نسل
سے پیدا کرتا ہے اور وہی کن کہنے سے
پیدا کرتا ہے۔ تمام آسمان اس کے
دستِ قدرت کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے
ہوئے ہیں۔ تمام مخلوقات اس کے قبضہ
میں مغلوب ہے۔ صرف وہی مادہ اور مادہ
کے بغیر پیدا کر سکتا ہے۔ اپنی ایجاد و
اختراع میں یکتا ہے۔ اس نے ہی اپنی
مخلوقات کو اور اس کے اعمال کو پیدا
کیا ہے۔ اسی نے اس کی روزی اور
موت کا صحیح اندازہ لگایا ہے۔ کوئی مخلوق
اس کی قدرت سے خارج نہیں ساری
کائنات کے تصرفات بھی اس کی
قدرت سے باہر نہیں۔ اسکی قدرتوں
کا اندازہ نہیں لگایا جاتا۔ اور نہ ہی اس
کے معلومات کی کوئی انتہا ہے (خدا
کے علم کا بیان یوں ہے کہ) وہ تمام
اشیاء کا عالم ہے۔ اس کا علم تمام ان
چیزوں پر حاوی ہے، جو زمین کے
کناروں سے لے کر اوپر کے آسمانوں
تک جاری ہیں۔ ایسا عالم ہے کہ اسکے

ذرة في الارض ولا في
السماء بل يعلم دبيب النملة
السوداء على الصخرة الصماء
في الليلة الظلماء ويدرك
حركة الذر في جو الهواء
ويعلم السر واخفى ويطلع
على هواجس الضمائر و
حركات الخواطر وخفيات
السرائر بعلم قديم
ازلي لم يزل موصوفا في
ازل الازال لا بعلم متجدد
حاصل في ذاته بالحلول
والانتقال - الارادة والله
تعالى مريد للكائنات
مدبر للحادثات فلا يجري
في الملكوت قليل او
كثير صغير او كبير
خير او شر نفع او ضر
ايمان او كفر عرفان او
نكر فوز او خسران
زيادة او نقصان طاعة
او عصيان الا بقضائه و
قدره وحكمته ومشيئته
فما شاء كان وما لم يشاء

علم سے ذرہ بھر بھی زمین و آسمان کی کوئی
چیز باہر نہیں، بلکہ ٹھوس پتھر پر جب
چیونٹی سخت اندھیری رات میں دبے پاؤں
چلتی ہے، تو اس کی رفتار سے بھی آگاہ ہے
اور جو ذرات ہوا میں اُڑتے ہیں، اُن کی
حرکت کو بھی جانتا ہے۔ وہ راز اور راز سے
پوشیدہ تر بات کو بھی جانتا ہے، دل کے
خیالات اور خیالات کی حرکات بھی جانتا
ہے۔ اور پوشیدہ سے پوشیدہ بھید
کو بھی جانتا ہے۔ مگر اس کا یہ علم ازلی
ہے، جو ہمیشہ سے ہمیشہ میں اس کی
صفت ہے۔ وہ کسی نو پیدا علم سے نہیں
جانتا۔ جو کبھی اس کی ذات میں آئے اور کبھی
نکل جائے۔ (اللہ تعالےٰ کے ارادہ کا بیان
یوں ہے کہ) وہ مخلوقات میں اپنا ارادہ برتتا
ہے تمام نو پیدا مخلوق میں انتظام کرتا ہے
جو بھی اس کی بادشاہت میں کم و بیش، خورد
و کلاں، دکھ سُکھ، نفع و ضرر، ایمان و کفر، خدا
شناسی یا انکار، کامیابی یا ناکامی، زیادتی یا
نقصان، فرمانبرداری یا بیفرمانی ہوتی ہے
اسی کی قضا و قدر اور حکمت و مشیت
سے ہوتی ہے۔ جسے چاہے،
وہ موجود ہو جاتا ہے اور جسے نہ
چاہے وہ موجود نہیں ہوتا

لم يكن لا يخرج عن مشيئته
لفتة ناظر او فلتة خاطر بل
هو المبدئ المعيد الفعال
لما يريد لا راد لحكمه ولا معقب
لقضائه ولا مهرب لعبد من
معصيته الا بتوفيقه ورحمته
ولا قوة على طاعته الا بمشيئته
وارادته فلو اجتمع الانس والجن
والملئكة والشياطين على ان
يحركوا في العالم ذرة او يسكنوها
دون ارادته ومشيئته لعجزوا
عن ذلك وان ارادته
قائمة بذاته في جملة صفاته
لم يزل كذلك موصوفا بها
مريدا في ازله لوجود الاشياء
في اوقاتها التي قدرها
فوجدت في اوقاتها كما
اراده في ازله من غير تقدم
ولا تاخر بل وقعت على
وفق علمه وارادته من غير
تبديل ولا تغيير دبر الامور
لا بترتيب افكار ولا تربص
زمان فلذلك لم يشغله شان
عن شان. السمع. والبصر. وانه

اسکی مرضی سے آنکھ کی ایک نگاہ بھی باہر نہیں
اور دل کا کوئی خیال بھی باہر نہیں، بلکہ وہی
نو پیدا کرنے والا اور دوبارہ پیدا کرنے والا ہے
جس چیز کا ارادہ کرتا ہے وہی کرتا ہے. کوئی
اس کے حکم کو روکنے والا نہیں. نہ ہی اسکے
فیصلہ پر کوئی نکتہ چین ہے. انسان کو کسی برائی
سے رکنے میں اسکی توفیق اور رحمت کے بغیر چارہ نہیں
اور فرمانبرداری میں اسکے ارادہ اور مشیت کے سوا
مجال نہیں. اگر تمام انسان جن، فرشتے اور شیطان
بھی جمع ہو کر سلسلہ کائنات میں ایک ذرہ کو بھی
حرکت دیں یا اسکے ارادہ کے بغیر اسے ساکن کرنا
چاہیں تو اس سے عاجز ہو جائینگے. خدا کا ارادہ
اسکی اپنی ذات میں باقی صفات کیطرح قائم ہے.
وہ بدستور اس سے موصوف رہا ہے. زمانہ ازل
میں اس نے ارادہ کیا کہ سلسلہ مخلوقات اپنے اپنے وقت
پر پیدا ہو جو اس نے تجویز کیا تھا. چنانچہ جسطرح
اس نے زمانہ ازل میں کسی تقدم و تاخر کے بغیر چاہا تھا
اسی طرح کائنات معرض ظہور میں آگئی بلکہ اسکے علم
کے اور اس کے ارادہ کے مطابق بغیر کسی تغیر و
تبدل کے موجود ہو گئی. نہ اسے کسی تجویز کے سوچنے کی
ضرورت پڑی نہ اسے کسی وصیت کا انتظار تھا.
یہی وجہ ہے کہ اسے ایک مصروفیت دوسری
مصروفیتوں سے غافل نہیں کرتی. (خدا
کی قوت شنوائی اور بینائی کی حقیقت یہ ہے کہ)

تعالیٰ سمیع بصیر یسمع ویری
لا یعزب عن سمعه مسموع وان
خفي ولا یغیب عن رؤیته
مرئی وان دق ولا یحجب سمعه
بُعدٌ ولا یدفع رؤیته ظلامٌ
یری من غیر حدقة واجفان
ویسمع من غیر اصمخة وآذان
کما یعلم بغیر قلب ویبطش
بغیر جارحة ویخلق بغیر آلة
اذ لا تشبه صفاته صفات الخلق
کما لا تشبه ذاته ذوات الخلق۔
الکلام۔ وانه تعالیٰ متکلم آمرٌ ناهٍ
واعد متوعدٌ بکلامٍ ازلی قدیمٍ
قائمٍ بذاته لا یشبهه کلام الخلق
فلیس بصوت یحدث من
انسلال الهواء او اصطکاک
اجرام ولا بحرف ینقطع باطباق
شفة او تحریک لسان وان القرآن
والتوراة والانجیل والزبور کتبه
المنزلة علی رسله علیهم السلام
وان القرآن مقروٌ بالالسنة
مکتوب فی المصاحف محفوظ
فی القلوب وانه مع ذلك قدیم
قائم بذات الله تعالیٰ لا یقبل

وہ خدا سُنتا ہے اور دیکھتا ہے۔ اسکی شنوائی
سے کوئی بات باہر نہیں۔ اگرچہ وہ کتنی ہی
مخفی ہو اور اسکی بینائی سے کوئی چیز خارج نہیں
اگرچہ کتنی ہی باریک ہو اس کی قوت سماعت
کو کوئی دُوری مانع نہیں اور اس کی قوت بینائی
کو کوئی تاریکی نہیں روکتی۔ وہ بغیر آنکھ اور
پلک کے دیکھتا ہے اور سوراخ گوش
اور کان کے بغیر سنتا ہے۔ اسی طرح دل کے
بغیر جانتا ہے اور ہاتھ کے بغیر حملہ کرتا ہے
اور اوزار کے بغیر پیدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ
اس کے صفات مخلوق کی صفات جیسے
نہیں اور نہ ہی اس کی ذات مخلوق کی
ذات کی مثل ہے۔ (خدا کا کلام یوں ہے کہ)
وہ کلام کرتا ہے، حکم کرتا ہے، روکتا ہے،
خوشخبری دیتا ہے۔ عذاب کی خبر دیتا ہے مگر اسکا
کلام ازلی ابدی قدیم ہے، جو اس کی ذات میں قائم
ہے اور مخلوق کے کلام کی طرح نہیں کہ ہوا کی مداخلت
اور حرکت سے پیدا ہو یا دو چیزوں کے ٹکرانے سے
پیدا ہو حروف سے مرکب نہیں کہ ہونٹ کی بندش
سے ختم ہو جائے اور زبان کے چلنے سے جاری ہو۔
قرآن، توراۃ، انجیل اور زبور اسی کی کتابیں ہیں جو سچے
انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں چنانچہ قرآن اگرچہ
زبان سے پڑھا جاتا ہے یا اوراق میں لکھا جاتا ہے اور دلوں
میں محفوظ ہے تاہم وہ قدیم ہے خدا کی ذات میں قائم ہے

الانفصال ولا الافتراق بالانتقال
الی القلوب والاوراق وان موسیٰ
علیہ السلام سمع کلام اللہ تعالیٰ
بغیر صوتٍ ولا حرف کما یریٰ الابرار
ذات اللہ تعالیٰ فی الآخرۃ من غیر
جوھر ولا عرض واذ کان لہ ھذہ
الصفات کان حیا عالما قادرا
مریدًا سمیعًا بصیرًا متکلما بالحیٰوۃ
والعلم والقدرۃ والارادۃ و
السمع والبصر والکلام لا بمجرد
الذات - انتھی کلام الغزالی
رحمہ اللہ تعالیٰ قال المؤلف عفی
اللہ عنہ الصفات السبعۃ التی
ذکرھا الغزالیُ مبنیٌّ علی مسلک
الاشعریۃ من المتکلمین وزاد الما
تریدیۃ صفۃ ثامنۃ تسمّٰی بالتکوین
قالوا لا تکفی فی وجود الخلق الارادۃ
ولا بد فی وجود الخلق من التکوین
مستدلین بقولہ تعالیٰ انما امرہ
اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن
فیکون فالارادۃ امر والتکوین
المشار الیہ بلفظۃ کن امر آخر
والمرید للامر لا یسمّٰی فاعلا لہ
الا اذا اخرجہ من العدم الی الوجود

اوراق میں یا دلوں میں منتقل ہونے کے باوجود
بھی وہ خدا کی ذات سے الگ اور منتقل نہیں۔
کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کلام الٰہی سنا
تھا، اس میں آواز نہ تھی اور نہ حروف تھے۔ اسی
طرح نیک انسان عالم آخرت میں خدا کا دیدار پائینگے
مگر وہ نہ ٹھوس ہوگا نہ عارضی چیز۔ جب خدا ایسا ہے تو
ماننا پڑتا ہے کہ وہ اپنے ان صفات میں حی۔ عالم
قادر، مرید، سمیع، بصیر اور متکلم ہے اور اسمیں یہ
سات صفات موجود ہیں۔ حیوٰۃ، علم، قدرۃ، ارادہ
سمع، بصر اور کلام۔ اور اسکی ذات اپنی صفات سے
خالی نہیں (امام غزالی رحمۃ اللہ کا کلام یہاں پر ختم
ہو چکا ہے) اب مؤلف کہتا ہے (خدا اس کے گناہ
معاف کرے) کہ امام صاحب نے جو خدا کے سات
اوصاف بیان کئے ہیں وہ مذہب اشعری کے
مطابق ہیں۔ ورنہ مذہب ماتریدیہ میں ایک آٹھواں
اور بھی خدا کا وصف ہے جسے تکوین کہتے ہیں کیونکہ
مخلوقات کے پیدا کرنے میں صرف ارادہ ہی کافی
نہیں کچھ تکوین کی بھی ضرورت ہے کیونکہ خدا تعالیٰ
نے خود فرمایا ہے کہ جب مَیں کسی چیز کا ارادہ کرتا
ہوں تو اُسے کُنْ کہتا ہوں تو پھر وہ موجود ہو جاتی
ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ارادہ اور چیز ہے اور
تکوین جو لفظ کُنْ سے اشارۃً سمجھی جاتی ہے اور
چیز ہے۔ اسکے علاوہ صرف ارادہ کرنے والا فاعل
نہیں کہلاتا سوائے اسکے کہ اسکو ہست سے نیست کردے

فلفظة كن منه سبحانه وتعالى
امر باخراج ما اراده من القوة
الى الفعل ومحل بسط هذا
المبحث كتب علم الكلام كشرح
العقائد وشرح المواقف رجعنا
الى كلام حجة الاسلام فقال الافعال
وانه سبحانه وتعالى لا موجود سواه
الا وهو حادث بفعله وفائض
من عدله على احسن الوجوه واكملها
واتمها واعدلها وانه حكيم في
افعاله وعادل في اقضيته ولا يقاس
عدله بعدل العباد اذ العبد يتصور
منه الظلم بتصرفه في ملك غيره
ولا يتصور الظلم من الله تعالى
فانه لا يصادف لغيره ملكا حتى يكون
تصرفه فيه ظلما فكل ما سواه من
انس وجن وشيطان وملك وسماء
وارض وحيوان ونبات وجوهر
وعرض ومدرك ومحسوس حادث
اخترعه بقدرته بعد العدم
اختراعا وانشاءه بعد ان لم يكن
شيئا اذ كان في الازل موجودا
وحده ولم يكن معه غيره فاحدث
الخلق بعد اظهار القدرته

پس لفظ کُن خدائے تعالیٰ کا امر ہے اسکو جس کا
وہ ارادہ کرتا ہے کہ نیست سے ہست کر دے۔ اس
مسئلہ کی تفصیل کا مقام علم کلام کی کتابیں ہیں مثلاً
شرح عقائد، شرح مواقف وغیرہ۔ اب ہم دوبارہ
امام غزالی رحمہ اللہ کا کلام درج کرتے ہیں۔ آپ
فرماتے ہیں کہ (افعال خداوندی کی حقیقت یوں
ہے کہ) جو بھی اللہ کے بغیر ہے وہ اُسی کے فعل سے
پیدا ہُوا ہے اور بہترین عدل کے طریق پر اور اکمل
واکمل طرز پر صورت نما ہُوا ہے۔ خدا اپنے افعال
میں حکمت استعمال کرتا ہے۔ اپنے فیصلہ میں عدل کرتا
ہے۔ مگر اسکا عدل انسانی عدل کے مشابہ نہیں۔
کیونکہ انسان سے تو ظلم کا بھی امکان ہے جبکہ وہ
غیر کے ملکیت پر متصرف ہو اور خدا سے ظلم کا امکان بھی
نہیں کیونکہ جبکہ پیدا غیر کی ملکیت ہی نہیں تو یہ کیسے کہا
جائے گا کہ وہ غیر کی ملکیت پر تصرّف کرتا ہے تاکہ اسکا
عمل ظلم قرار پائے کیوں کہ اس نے یہ تمام چیزیں خود
پیدا کی ہیں۔ انسان، جن، شیطان، فرشتے، آسمان،
زمین، حیوان، نباتات، جوہر، عرض، مدرک بالحس
اور مدرک بالعقل وغیرہ چنانچہ اس نے اپنی قدرت
کاملہ سے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کو وجود عطا کیا
ہے بعد اس کے کہ وہ نیست تھیں اور وہ خدا خود
زمانہ ازل میں موجود تھا اور اس کے ساتھ کوئی
غیر موجود نہ تھا۔ پھر اس نے اپنی اظہارِ
قدرت کے لئے کائنات کو پیدا کیا

وتحقيقا لما سبق من ارادته وحق
في الازل من كلمته لا لافتقار اليه
وحاجته والله تعالى متفضل بالخلق
والاختراع والتكليف لا عن وجوب
ومتطول بالانعام والاصلاح لا
عن لزوم له الفضل والاحسان
والنعمة والامتنان اذ كان قادرا
على ان يصب على عباده انواع
العذاب ويبتليهم بضروب
الالام والاوصاب ولو فعل
ذلك لكان منه عدلا ولم يكن قبيحا
ولا ظلما وانه يثيب عباده على
الطاعات بحكم الكرم والوعد
لا بحكم الاستحقاق واللزوم
اذ لا يجب عليه فعل ولا يتصور
منه ظلم ولا يجب لاحد عليه
حق وان حقه في الطاعات واجب
على الخلق بايجابه على لسان انبيائه
لا بمجرد العقل ولكنه بعث الرسل
واظهر صدقهم بالمعجزات الظاهرة
فبلغوا امره ونهيه ووعده
ووعيده فوجب على الخلق
تصديقهم فيما جاؤا به معنى
الكلمة الثانية وهي رسالة الرسول

اور اس سے اپنے ارادہ کا ثبوت دیا جو اس
نے پہلے کیا ہوا تھا اور اس قول کو پیدا کرنے
کے لیئے جو ازل میں کہہ چکا تھا ورنہ اسکو کائنات
کی کوئی حاجت اور ضرورت نہ تھی۔ یہ اس کی
مہربانی ہے کہ اسے پیدا کیا۔ نیست سے ہست
کیا اور صاحب اختیار بنایا ورنہ یہ سب کچھ اسپر
واجب نہ تھا اور وہ ہمپر فضل کرنیوالا ہے کہ اس نے
ہمپر احسان کیا اور ہماری اصلاح کی حالانکہ یہ بھی
اس کا فرض نہ تھا پس یہ سب کچھ اسکا فضل ہے احسان
اور نعمت اور انعام ہے کیونکہ وہ ہر وقت قادر ہے
کہ اپنے بندوں پر ہر قسم کے عذاب ڈالے اور رنگ برنگ کے
مصائب میں گرفتار کرے اگر یہی کرے تو پھر بھی اسکا عدل
ہی ہوگا اور اس کیلئے کوئی معیوب کام نہ تھا اور نہ ہوگا
خدا اپنے حسب وعدہ اور فضل و کرم سے بندوں کو اپنی اطاعت
قبول کرنے پر ثواب دیتا ہے ورنہ بندوں کا کوئی اس کے
ذمہ نہیں اور نہ ہی انکا کوئی فرض اسپر عائد ہوتا ہے کیونکہ
اسپر کوئی فعل بھی واجب نہیں ہو سکتا اور نہ اس سے
ظلم متصور ہو سکتا ہے اور کسی کا حق اسکے ذمہ پر واجب نہیں
مگر مخلوق پر اسکا حق اطاعت واجب ہے جو اس نے اپنے انبیاء کے
ذریعہ سے بیان کیا ہے۔ اور وہ حق اطاعت صرف عقل سے دریافت
نہیں ہوتا تھا اسلیئے اسنے اپنے رسول بھیجے اور کھلم کھلا
معجزات سے انکی صداقت کا اظہار فرمایا تو پھر انہوں نے خدا کا امر
نہی، وعدہ اور وعید کی خبر دی۔ اس لئے مخلوق پر واجب
ہوگیا کہ جو کچھ بھی وہ کہتے ہیں اسکی تصدیق کریں۔ اب کلمہ ثانیہ

صلی اللہ علیہ وسلم. وان اللہ تعالیٰ
بعث النبی الامی القرشی محمدا
صلی اللہ علیہ وسلم برسالتہ
الی کافۃ العرب والعجم والجن
والانس فنسخ بشرعہ الشرائع
الا ما قررہ وفضلہ علی سائر
الانبیاء وجعلہ سید البشر و
منع کمال الایمان بشہادۃ
التوحید وھی قولہ لا الہ الا اللہ
ما لم تقترن بہ شہادۃ الرسول
وھی محمد رسول اللہ فالزم الخلق
تصدیقہ فی جمیع ما اخبر بہ
من الدنیا والاخرۃ وانہ لا یقبل
ایمان عبد حتی یوقن بما اخبر عنہ
بعد الموت واولہ سوال منکر ونکیر
وھما شخصان مہیبان ھائلان
یقعدان العبد فی قبرہ سویا ذا
روح وجسد فیسئلانہ عن التوحید
والرسالۃ ویقولان لہ من ربک و
ما دینک ومن نبیک وھما فتانا
القبر وسوالھما اول فتنۃ القبر
بعد الموت وان یؤمن بعذاب
القبر وانہ حق وحکمۃ وعدل علی
الجسم والروح علی ما یشاء ویؤمن

رسالت کا بیان یوں ہے کہ، خدا ہی نے اپنا
نبی اُمی قریشی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و
سلم تمام کائنات کی طرف رسول بناکر مبعوث
کیا ہے خواہ عرب ہوں یا عجم یا جن ہوں یا انسان۔
سوائے چند اصولی احکام کے تمام شرائع سابقہ
کے احکام کو منسوخ کر دیا اور تمام انبیاء
علیہم السلام پر آپ کو فضیلت بخشی۔ آپ کو
سید البشر بنایا اور جبتک محمد رسول اللہ کا اقرار نہ
ہو، اقرار توحید یعنی لا الٰہ الا اللہ کہنے سے رک گیا
اور مخلوق پر آپ کی تصدیق فرض کر دی۔ ان احکام
کے متعلق جو آپ نے دنیا و آخرت کی بابت بیان
کئے ہیں اور یہ بھی فرض کیا کہ کسی کا ایمان معتبر
نہیں جب تک وہ باتیں نہ مانے۔ جن کی خبر آپ نے
انسان کی موت کے بعد دی ہیں جن میں سے اول
منکر نکیر کا سوال ہے۔ یہ دو فرشتے با ہیبت خوفناک
ہیں، جو مُردہ کو قبر میں سیدھا بٹھا دیتے ہیں جس
میں روح اور جسم دونوں ہوتے ہیں۔ پھر توحید
اور رسالت نبوی کا سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب
کون ہے، تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون
ہے؟ اور یہ دو فرشتے قبر کا امتحان ہیں کیونکہ
موت کے بعد قبر میں پہلا امتحان ان کے سوالات
ہیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ مومن عذاب قبر کو تسلیم
کرے کہ وہ حق ہے اور حکمت اور عدل ہے جسم اور
روح پر جس طرح کہ خدا چاہے۔ یہ بھی مانے کہ

بالميزان ذي الكفتين واللسان
وصفته في العظم انه مثل طباق
السموات والارضين توزن فيه
الاعمال بقدرة الله تعالى والصنج[۱]
يومئذ مثاقيل الذر والخردل
تحقيقا لتمام العدل وتطرح صحائف
الحسنات في صورة حسنة في كفة
النور فيثقل بها الميزان على قدر
درجاتها عند الله بفضل الله
تعالى وتطرح صحائف السيئات
في كفة الظلمة فيخف بها الميزان
بعدل الله تعالى وان يؤمن بان
الصراط حق وهو جسر ممدود على
متن جهنم احد من السيف وارق
من الشعر تزل عليه اقدام الكفرة
بحكم الله تعالى فيهوى بهم الى النار
وتثبت عليه اقدام المؤمنين فيساقون
الى دار القرار وان يؤمن بالحوض
المورود حوض محمد صلى الله عليه
وسلم يشرب منه المؤمنون قبل
دخول الجنة وبعد جواز الصراط من
شرب منه شربة لا يظماء بعدها
ابدا عرضه السماء فيه ميزابان
يصبان من الكوثر وان يؤمن بيوم الحساب

میزان عمل کے دو پلڑے ہیں اور ایک قبضہ کی رسی ہے
اس کی بڑائی کا بیان یوں ہے کہ وہ زمین و آسمان
کی وسعت کے برابر بڑی ہے۔ اس میں قدرت الٰہیہ
سے اعمال تولے جائیں گے، اور اس کے بٹے چیونٹی
اور رائی کے دانے کے برابر بھی ہونگے تاکہ پورا پورا
انصاف ہو۔ پھر اس کے نورانی پلّہ میں نیک اعمال
کے صحیفے ڈالے جائیں گے جن سے وہ ترازو بوجھل
معلوم ہوگا۔ انکے نیک اعمال کے درجہ کے مطابق
خدا کے فضل و کرم سے۔ پھر دوسرے تاریک پلڑے
میں بداعمالیوں کے صحیفے ڈالے جائیں گے تو وہ خدا
کے عدل و انصاف سے ہلکا ہوجائے گا۔ مؤمن یہ بھی
مانے کہ پل صراط حق ہے اور جہنم کی پشت پر یہ ایک
لمبا پل بچھایا جائے گا جو تلوار سے تیز ہوگا اور بال سے باریک
اس سے کفار کے قدم پھسل جائیں گے اور خدا
کے حکم سے جہنم رسید ہوں گے۔ مومنین کے
قدم اس پر ٹک جائیں گے تو جنت کو پہنچائے
جائیں گے۔ یہ بھی مانے کہ حوض کوثر حق ہے
جس پر لوگ آئیں گے اور حضور علیہ السلام
کے حوض محمدی سے دخول جنت سے پہلے
مؤمنین پانی پئیں گے اور پل صراط سے گذر کر
بھی اس کا پانی پئیں گے۔ اور جو شخص اس کا
ایک گھونٹ بھی پی لیگا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اس
کی وسعت آسمان کے برابر ہے اسمیں دو نالیاں حوض کوثر
سے نکل کر کھلتی ہیں۔ مومن یہ بھی مانے کہ حساب کا دن حق

[۱] صنج پاسنگ ترازو ۱۲

وتفاوت الخلق فيه الى مناقش
في الحساب والى مسامح فيه والى
من يدخل الجنة بغير حساب
وهم المقربون فيسئل الله من
شاء من الانبياء عن تبليغ الرسالة
ومن شاء من الكفار عن تكذيب
المرسلين ويسأل المبتدعين
عن السنة ويسأل المسلمين
عن الاعمال ويؤمن باخراج الموحدين
من النار بعد الانتقام حتى لا يبقى
في جهنم موحد بفضل الله تعالى
ويؤمن بشفاعة الانبياء ثم العلماء
ثم الشهداء ثم سائر المؤمنين
كل على حسب جاهه ومنزلته و
من بقي من المؤمنين ولم يكن له شفيع
اخرج بفضل الله تعالى ولا يخلد
في النار مؤمن بل يخرج منها من
كان في قلبه مثقال ذرة من
الايمان وان يعتقد فضل الصحابة
وترتيبهم وان افضل الناس
بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم
ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي
رضي الله عنهم وان يحسن الظن
بجميع الصحابة وان يثني عليهم

ہے جس میں مخلوقات مختلف طریق پر مبتلا ہوگی۔
کسی سے خوب باز پرس ہوگی اور کسی سے چشم پوشی
کی جائے گی۔ اور کئی ایک بغیر حساب کے بھی داخل
جنت ہوں گے اور یہ لوگ خدا کے مقرب ہوں گے
خدا کا منشاء ہوگا تو انبیاء علیہم السلام سے بھی
سوال ہوں گے کہ تبلیغ کیسے کی؟ جی چاہیگا تو کفار
اور مکذبین سے بھی سوال ہوں گے کہ تم نے رسول
کی تکذیب کیوں کی؟ بدعتی اور مخالف سنت سے سوال
ہوگا کہ تم نے سنت طریق کیوں چھوڑا اور اہل اسلام
سے اعمال کے متعلق سوال ہوگا اور مومن یہ بھی مانے کہ
اہل توحید جہنم سے بدلہ پاکر آخر نجات پائیں گے یہاں تک
کہ خدا کے فضل و کرم سے وہاں کوئی اہل توحید نہ رہیگا
یہ بھی مانے کہ انبیاء علیہم السلام شفاعت کریںگے۔ انکے
بعد اہل علم پھر شہادت یافتہ اور سب اخیر باقی اہل اسلام
اپنی اپنی قدر و منزلت کے مطابق شفاعت کریں گے
اور جو مومن جہنم میں بغیر شفاعت کے پڑا رہیگا اور اسکا
کوئی شفیع نہ ہوگا تو خدا کے اپنے فضل سے جہنم سے نکالا
جائیگا اور دوزخ میں کوئی اہل ایمان باقی نہ رہیگا بلکہ
جسکے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ بھی جہنم سے
نکال دیا جائے گا۔ یہ بھی مانے کہ صحابہؓ کی فضیلت برحق
ہے اور ان میں ترتیب وار فضیلت یوں ہے کہ حضور علیہ السلام
کے بعد افضل الناس حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں
پھر حضرت فاروق پھر حضرت عثمان غنی پھر حضرت علی رضی
اللہ عنہم یہ بھی ضروری ہے کہ مومن صحابہؓ کے متعلق حسن ظن رکھے

كما اثنى الله تعالى ورسوله
صلى الله عليه وسلم وعليهم اجمعين
فكل ذلك مما وردت به السنة
وشهدت به الآثار فمن اعتقد
جميع ذلك موقنا به كان من
اهل الحق وعصابة السنة و
فارق رهط الضلال والبدعة
فنسأل الله تعالى كمال اليقين
والثبات فى الدين لنا ولكافة
المسلمين انه ارحم الراحمين
وصلى الله على سيدنا محمد واله
وصحبه اجمعين - انتهى ما اردنا
نقله من كتاب (قواعد العقائد)
للامام حجة الاسلام رحمة الله عليه
قال المؤلف عفى الله عنه بسم الله
الرحمن الرحيم وبه نستعين
اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا
اتباعه وارنا الباطل باطلا و
ارزقنا اجتنابه اما بعد
فقد اختلفت الامة فى العقائد
اختلافا كثيرا وتفرقت اراءهم
ووقع بينهم التنافر والتباغض
وادعت كل طائفة انها على
الحق وما سواها على الباطل كيف

اور جس طرح اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ السلام نے
ان کی تعریف و توصیف کی ہے یہ بھی ان کی
تعریف کرے - ان تمام عقائد کے متعلق شاہد احادیث
نبوی وارد ہیں اور اقوال صحابہ رض مشابہ ہیں
جو شخص ان تمام عقائد کو تسلیم کرے وہ اہل حق
اور اہل سنت ہو گا - اور اہل بدعت اور گمراہ
فرقوں سے الگ سمجھا جائے گا - ہم سب کا فرض
ہے کہ خدا تعالیٰ سے کمال یقین اور اسلامی استقلال
کی درخواست کریں اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے
لئے کیونکہ وہی ارحم الراحمین ہے وصلی اللہ
علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین
یہاں تک جو ہمیں امام صاحب کی کتاب قواعد
العقائد سے نقل کرنا تھا نقل کر دیا ہے - اب
مؤلف رسالہ ہذا (عفی عنہ) اپنا مضمون شروع
کرتا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین
یا اللہ ہمیں جو حق بات ہے وہ سچ سچ دکھا
دے اور باطل کو واقعی طور پر باطل دکھا
اور ہمیں اس سے کنارہ کشی نصیب کر -
اس کے بعد واضح ہو کہ آج اس امت محمدیہ میں
عقائد کا اختلاف بہت ہے اور ان کی رائیں
مختلف ہیں اور ان میں باہمی نفرت پیدا ہو چکی
ہے - اور بغض پیدا ہو گیا ہے - ہر ایک فرقہ کا
یہی دعویٰ ہے کہ میں ہی حق پر ہوں اور دوسرے
باطل پر ہیں - کیوں ایسا نہ ہو جب کہ حضور

لا وقد اخبرنا بهذه الحالة سیدنا رسول الله صلی الله علیه وسلم حیث قال ستفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقة الحدیث وقد ذکرت هذا الحدیث بماله وما علیه فی آخر کتابی المسمٰی (بالاصول الاربعة فی تردید الوهابیة) بالفارسیة وها انا اذکره ههنا اتماما للفائدة - عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیأتین علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل حتی ان کان منهم من اتی امه علانیة لکان فی امتی من یصنع ذلک و ان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملة وتفرق امتی علی ثلاثة سبعین ملة کلهم فی النار الا امة واحدة قالوا من هی یا رسول الله قال ما انا علیه واصحابی رواه الترمذی

علیہ السلام نے ہمیں پہلے ہی خبر دی ہوئی ہے اور فرمایا ہے کہ میری امت ۷۳ فرقہ پر تقسیم ہو جائے گی۔۔۔۔۔ اور یہ حدیث پورے سوال وجواب کے ساتھ میں نے اپنی کتاب فارسی الاصول الاربعة فی تردید الوهابیة کے اخیر نقل کردی ہوئی ہے۔ مگر تاہم تکمیل فائدہ کے لئے اسے یہاں بھی نقل کرتا ہوں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت پر وہ انقلاب آئے گا۔ جو بنی اسرائیل پر آیا تھا ہو بہو، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے بدفعلی کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے، جو ایسا کر گذریں گے امت بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں پر منقسم ہوگئی تھی اور میری امت ۷۳ ملت پر تقسیم ہوگی اور وہ سارے کے سارے جہنم میں جائیں گے مگر ایک فرقہ بچ رہے گا۔ حاضرین نے پوچھا کہ یا رسول صلعم وہ کونسا فرقہ ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ ہے جو ان اصولوں پر قائم ہوگا کہ جن پر میں اور میرے صحابہ رض قائم ہیں۔ (رواہ ترمذی)

وفی روایة احمد وابی داؤد عن
معاویة ثنتان وسبعون فی
النار وواحدة فی الجنة وھی
الجماعة وانه سیخرج فی امتی
اقوام تتجاری بھم تلك الاھواء
کما تتجاری الکلب بصاحبه لا
یبقی عنه عرق ولا مفصل الا
دخلته فان قیل ھل الفرق
التی ذکرت فی الحدیث من اھل
الدعوة او من اھل الاجابة
نقول بل ھی من اھل الاجابة
لانھم ذکروا بلفظ امتی مکررا
واما اھل الدعوة الذین ما
آمنوا بالله ورسوله فلا
یدخلون فی امته صلی الله
علیه وسلم وھھنا سوال آخر
اصعب من الاول وتقریرہ ان
کل طائفة من الطوائف الثلاث
والسبعین تدعی وتزعم انھا
ھی الطائفة الناجیة وانھا ھی
مصداق ما انا علیه واصحابی
فمن ذا الذی یحل ھذہ العقدة
بالامانة فاضطربت اھل
السنة والجماعة عند العبادات

امام احمد اور ابوداؤد حضرت معاویہؓ سے روایت
کرتے ہیں کہ ۷۲ فرقے دوزخ میں جائیں گے اور
ایک فرقہ جنت میں داخل ہوگا اور اس فرقہ کا نام
جماعت ہے۔ میری امت میں ایسی قومیں بھی
پیدا ہونگی کہ جن کو یہ نو پیدا خیالات اسطرح اڑا لے جائیں
گے جس طرح کہ دیوانہ کتے کی زہر دوڑاتی ہے باولے
کتے کے کاٹے ہوئے کا کوئی رگ و ریشہ نہیں بچتا
کہ جس میں اسکی زہر کا دخل نہ ہو۔ اب اگر یہ سوال کیا
جائے کہ جو دوزخی ۷۲ فرقے حدیث میں مذکور ہیں
وہ کوئی نیا اسلام پیش کریں گے یا اسی اسلام کے
دعویدار ہوں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سب
اسلام کے دعویدار ہونگے کیونکہ حضور علیہ السلام نے
ان کو امت کے لفظ سے بار بار ذکر کیا ہے مگر جو
لوگ نیا مذہب پیش کرینگے یہ وہ ہونگے جو خدا و رسول
کو نہیں مانینگے، اسلئے وہ امت محمدیہ میں داخل نہیں
پہلی قسم کا نام اہل اجابت ہے اور دوسری کا نام
اہل دعوت ہے اس مقام پر ایک اور مشکل سوال پیدا
ہوتا ہے کہ ۷۳ فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ کا یہی
دعویٰ ہے کہ ہم نجات پانے والی فرقہ ناجیہ جماعت
ہیں اور ہم ہی ما انا علیہ و اصحابی
کی صحیح مثال ہیں۔ کیا کوئی یہ عقدہ
ایمان داری سے حل کر سکتا ہے؟ اس لئے
اس کے جواب میں اہل السنت والجماعت
بے چین ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں

الی حضرۃ اللہ تعالیٰ فوجدوا قولہ تعالیٰ فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم فحكمنا صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذہ الفیصلۃ المعضلۃ فوجدنا بحمدہ تعالیٰ فی ذلك الحدیث قولہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی الجماعۃ ومعلوم ان لفظہ الجماعۃ جزء من اسم اھل السنۃ والجماعۃ فی روایۃ ابی داؤد واحمد والمراد من الجماعۃ کثرۃ الافراد وکثرۃ افراد اھل السنۃ والجماعۃ المقلدین للمذاھب الاربعۃ شرقا وغربا من الفرق الضالۃ بدیھی لا یحتاج الی دلیل سوال اٰخر قال بعض اھل الضلال المراد من الجماعۃ فی الحدیث من کان علی الحق وان قلت افرادہ قلنا لیس الامر کما زعموا لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی حدیث اٰخر عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا یجمع امتی او قال امۃ محمد علی ضلالۃ وید اللہ علی الجماعۃ ومن شذ شذ فی النار رواہ الترمذی

گڑگڑائے تو ان کو قرآن مجید کی یہ آیت نظر آئی کہ بخدا وہ لوگ مومن شمار نہ ہونگے یہانتک کہ وہ اپنے باہمی تنازعات میں آپکو جج نہ مانینگے اس لئے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لاینحل سوال میں اپنا جج مان لیا اور فیصلہ ہوگیا کیونکہ حدیث مذکور میں حضور علیہ السلام کا یہ لفظ مبارک موجود ہے کہ وہ فرقہ ناجیہ جماعت ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جماعت کا لفظ فرقہ اہل سنت والجماعت کے نام کا اصلی جزو ہے جیسا کہ امام احمد اور ابوداؤد کی روایت میں ہے اور جماعت سے مراد ہمیشہ کثرت افراد ہوا کرتے ہیں اور کثرت افراد اہل سنت والجماعۃ ہی ہیں جو مذاہب اربعہ کے مشرق و مغرب میں مقلد ہیں اور یہ کثرت گمراہ فرقوں کے مقابلہ پر ایسی روشن ہے جس کو کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے (سوال دیگر) ایک گمراہ فرقہ کا قول ہے کہ حدیث میں جماعت کا لفظ آیا ہے اور اسی سے مراد اہل حق ہیں اگرچہ ان کے افراد کی قلت ہو ہم جواباً کہتے ہیں کہ یہ مطلب صحیح نہیں کیونکہ وہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں جسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ میری امت کو یا بالفاظ دیگر امت محمدیہ کو گمراہی پر متفق نہیں کرے گا اور جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ جو شخص جماعت سے الگ ہوگا۔ وہ دوزخ میں پھینکا جائیگا (رواہ الترمذی)

وعن ابی بصرة قال قال رسول الله
صلی الله علیه وسلم سألت ربی ان
لا تجتمع امتی علی ضلالة فاعطانیها
رواه الطبرانی وعن ابن عباس
رضی الله عنهما قال قال رسول الله
صلی الله علیه وسلم من فارق الجماعة
فمات مات میتة جاهلیة رواه
البخاری - فان قیل وان ذکر فی
هذه الاحادیث لفظ الاجتماع
ولفظة الجماعة لکنه لم یصرح بان
المراد من الجماعة کثرة الافراد نقول
عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال
رسول الله صلی الله علیه وسلم اتبعوا
السواد الاعظم فانه من شذ
شذ فی النار رواه ابن ماجه وعن
معاذ بن جبل قال قال رسول الله
صلی الله علیه وسلم ان الشیطان
ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ
الشاة القاصیة والناحیة وایاکم
والشعاب وعلیکم بالجماعة والعامة
رواه احمد وعن ابی هریرة رضی الله
عنه قال قال رسول الله صلی الله
علیه وسلم من فارق الجماعة شبرا
فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه

ابو بصرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا
ہے کہ میں نے خدا سے یہ درخواست کی تھی کہ میری
امت گمراہی پر متفق نہ ہو تو خدا نے مجھے یہ عطیہ بخش
دیا (رواہ طبرانی) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ
عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ جو شخص جماعت سے الگ ہو کر مر جائے
تو بے دینی کی موت مریگا۔ (رواہ البخاری) اگر
یہ سوال کیا جائے کہ اگرچہ حدیث میں لفظ جماعت
یا لفظ اجتماع مذکور ہے۔ لیکن احادیث میں
تصریح موجود نہیں کہ اس سے مراد کثرت افراد ہیں
تو ہم اس کے جواب میں یوں کہیں گے کہ حضرت ابن
عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم کثیر التعداد
جماعت کی تابعداری کرو، ورنہ جو الگ ہوگا، داخل
جہنم ہوگا (رواہ ابن ماجہ) اور حضرت معاذ بن جبل
رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان انسان کے لئے
بھیڑیا ہے جسطرح کہ بھیڑ بکری کے لئے بھیڑیا ہوتا
ہے اور وہ اس بھیڑ بکری کو پکڑ لیتا ہے جو ریوڑ
سے الگ چرتی ہے یا کنارہ کرتی ہے تم ایسی کنارہ
کشیوں سے پرہیز رکھو اور عام اہل اسلام اور جماعت کا دامن تھام
رکھو (رواہ احمد) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی
کریم نے فرمایا ہے کہ جو جماعت سے ایک بالشت بھر بھی الگ
ہو گا یوں سمجھو کہ اس نے اسلام کا جوا اپنی گردن سے اتار دیا

رواه احمد و ابوداؤد مشكوة شريف
فجملة السواد الاعظم ولفظة العامّة
تصريح بكثرة الافراد وكثرة افراد
أهل السنة والجماعة بالنسبة الى
جميع طوائف الضلال امر بديهي
معلوم بالضرورة فثبت ان الفرقة
الناجية هي أهل السنة والجماعة
المقلدين للمذاهب الاربعة المشهورة
والحمد لله على ذلك اذا علمت هذا
فاعلموا ان المجاز والحقيقة مستعملان
في جميع لغات العرب والعجم
شقيها وسعيدها حتى في كلام
الله تعالى الملك العلام ولنقتصر
في هذا المقام بذكر بعض آيات
القرآن الحكيم قال الله تعالى الله
يتوفى الانفس حين موتها وقال
تعالى قل يتوفاكم ملك الموت
الذي وكل بكم فالاول حقيقة
والثاني مجاز قال الله تعالى يهب
لمن يشاء اناثا ويهب لمن يشاء
الذكور وقال تعالى حكاية عن
جبرئيل عليه السلام لاهب لك
غلاما زكيا فالاول حقيقة و
الثاني مجاز قال الله تعالى قل

(رواه احمد وابوداود) یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں بھی
ہے۔ بہرحال السواد الاعظم یا العامۃ لفظ کثرت
افراد کی تصریح کر رہا ہے۔ اور اہل سنت والجماعت
کے افراد کی کثرت تمام گمراہ فرقوں کے مقابلہ پر بالکل
واضح اور صاف ہے۔ اور ہر ایک کو معلوم ہے اس
لئے ثابت ہوا کہ اس مقام پر فرقہ ناجیہ سے مراد اہل سنت
والجماعۃ ہی ہے جو مشہور مذاہب اربعہ کے مقلد ہیں
(والحمد للہ علی ذلک) ان معلومات کے بعد واضح ہو
کہ عرب و عجم کی تمام زبانوں میں حقیقۃ و مجاز کا استعمال
موجود ہے خواہ وہ اچھی ہوں یا بُری۔ یہاں تک کہ خود
کلام الٰہی میں بھی یہ دونوں موجود ہیں۔ چنانچہ ہم چند
آیات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں (اول) یہ کہ خدا
موت کے وقت روح کو اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے
پھر فرمایا کہ ملک الموت تمہیں وفات دیتا
ہے جو تم پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ پس توفی کا
تعلق خدا سے حقیقی ہے اور فرشتے سے
مجازی۔ (دوم) خدا جسے چاہتا ہے
لڑکیاں بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے
لڑکے بخشتا ہے۔ پھر حضرت جبرئیل
علیہ السلام کا قول یوں منقول ہے کہ آپ
نے حضرت مریم علیہا السلام کو یوں کہا
تھا۔ کہ میں اس لئے تیرے پاس آیا
ہوں کہ تمہیں مقدس لڑکا دوں۔ خدا کا ہبہ حقیقی ہے
اور جبریل ؑ کا مجازی۔ (سوم) اے میرے بندو!

یا عبادی الذین اسرفوا وان عبادی لیس لک علیہم سلطان وقال تعالیٰ من عبادکم وامائکم فالاولان حقیقۃ والثالث مجاز قال اللہ تعالیٰ ھو یحیی ویمیت وقال تعالیٰ حکایۃ عن سیدنا عیسیٰ علیہ السلام واحی الموتیٰ باذن اللہ فالاول حقیقۃ والثانی مجاز قال اللہ تعالیٰ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم وقال تعالیٰ وانک لتھدی الی صراط مستقیم فالاول حقیقۃ والثانی مجاز قال اللہ تعالیٰ یدبّر الامر وقال تعالیٰ فالمدبّرات امراً فالاوّل حقیقۃ والثانی مجاز قال اللہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السموٰات والارض الغیب الا اللہ وقال تعالیٰ حکایۃ من سیدنا عیسیٰ علیہ السلام وانبّئکم بما تاکلون وما تدّخرون فی بیوتکم وقال اللہ تعالیٰ حکایۃ عن سیدنا یوسف علیہ السلام لا یأتیکما طعام ترزقانہ الا نبأتکما بتاویلہ قبل ان یاتیکما فالاول حقیقۃ والثانی مجازاً قال اللہ تعالیٰ عن سیدنا ابراھیم واذا مرضت فھو یشفین وقال تعالیٰ حکایۃ عن سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

جنہوں نے بے اعتدالی کی ہے رحمتِ الٰہی سے ناامید نہ ہو جاؤ اور شیطان سے یوں کہا کہ میرے بندوں پر تیرا تسلط نہ ہوگا۔ پھر فرمایا کہ تم اپنے بندوں اور کنیزوں کے نکاح کر دیا کرو۔ پس پہلی دو آیتوں میں عبد کا تعلق خدا سے حقیقی ہے اور تیسری آیت میں لوگوں سے تعلق مجازی ہے (چہارم) خدا ہی موت حیات دیتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول یوں نقل کیا ہے کہ میں بفضلِ خدا مُردے زندہ کرتا ہوں۔ تو زندگی دینے کا تعلق خدا سے حقیقی ہے اور حضرت عیسیٰؑ سے مجازی (پنجم) خدا جسے چاہے راہِ راست دکھاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ راہِ راست دکھاتے ہیں مگر الٰہی ہدایت حقیقی ہے اور ہدایت نبوی مجازی ہے (ششم) خدا کائنات کی تدبیر کرتا ہے پھر فرمایا کہ قسم ہے انکی جو تدبیر کرنیوالے ہیں پہلی آیت میں حقیقت ہے دوسری میں مجاز (ہفتم) کہو جو لوگ یا فرشتے آسمان و زمین میں ہیں انمیں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا لیکن اللہ غیب جانتا ہے اور حضرت عیسیٰؑ کا حال یوں بتایا کہ آپ کہتے تھے کہ میں تمکو سب کچھ بتاؤنگا۔ جو تم کھاتے ہو یا جمع رکھتے ہو اپنے گھروں میں پھر حضرت یوسفؑ کے متعلق فرمایا کہ آپ دو قیدیوں سے یوں کہتے تھے کہ نہیں آئیگی تمہاری خوراک جو تمہیں دیجاتی ہے مگر میں اسکے آنے سے پہلے ہی تمہارے خوابوں کی تعبیر کر دونگا پہلی آیت میں حقیقۃ دوسری دو آیتوں میں مجاز ہے (ہشتم) حضرت ابراہیمؑ کا قول یوں نقل کیا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو خدا ہی مجھے شفا دیتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں

والاكمه والابرص واُحي الموتىٰ باذن
الله فالاول حقيقة والثاني
مجاز قال الله تعالىٰ وهو
الخلاق العليم وقال تعالےٰ
حكاية عن سيدنا عيسىٰ عليه السلام
اني اخلق لكم من الطين كهيئة
الطير فيكون طيرا باذن الله
فالاول حقيقة والثاني مجاز
قال الله تعالىٰ ان الله
هو الرزاق ذو القوة
المتين وقال تعالىٰ واذا حضر
القسمة اولوا القربى واليتمى و
المساكين فارزقوهم منه فالاول
حقيقة والثاني مجاز قال الله تعالىٰ
ان الله هو السميع البصير وقال
تعالىٰ انا خلقنا الانسان من نطفة
امشاج نبتليه فجعلناه سميعا بصيرا
فالاول حقيقة والثاني مجاز الى
غير ذلك من الآيت القرانية والاحاديث
النبوية فاذا كان المجاز مستعملا في
كلام الله تعالىٰ على العموم فان استعمله
عباده في بعض محاوراتهم فاي قباحة
فيه ويبنى على هذا الاصل مسائل
كثيرة التي هي معركة الآراء بين المقلدين

کہ میں مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دیتا
ہوں اور خدا کے فضل سے مُردے بھی زندہ کر لیتا
ہوں. پس پہلی آیت میں حقیقۃ ہے دوسری میں
مجاز (نہم)، فرمایا کہ خدا ہی پیدا کرنے والا اور خوب
جاننے والا ہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول
بیان کیا کہ میں مٹی سے پرندوں کی وضع و شکل
بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا
کے فضل سے پرندے بن جاتے ہیں. یہاں بھی پہلے
حقیقۃ ہے پھر مجاز ہے (دوہم)، فرمایا کہ وہی خدا ہر کسی
کا رازق ہے اور زبردست طاقت کا مالک ہے پھر
فرمایا کہ جب میراث تقسیم کرنے کے وقت رشتہ دار،
یتیم اور مسکین حاضر ہوں تو اس میں سے ان کو رزق
دو. یہاں بھی پہلے حقیقۃ ہے پھر مجاز ہے (یازدہم)
فرمایا کہ خدا ہی سمیع و بصیر ہے. پھر فرمایا کہ ہم نے
انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا. تاکہ اس کو دنیا کے
ابتلا میں ڈالیں اس لئے اسے سمیع و بصیر بنا دیا پہلا
سمیع و بصیر حقیقۃ ہے دوسرا مجاز. الغرض اس قسم
کی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ بہت ہیں پس جب
حقیقت و مجاز کا استعمال قرآن مجید میں موجود
ہے تو اگر اسے خدا کے بندے استعمال کرلیں اپنے
محاورات میں تو کون سی قباحت ہوگی
بہرحال اس اصول پر کئی ایک
مسائل کی بنیاد قائم ہے. جو
مذاہب اربعہ کے مقلدین اور

للمذاهب الاربعة وبين غير
المقلدين للمذاهب ومن
نحى نحوهم فمن تلك المسائل
مسئلة علم الغيب للنبي صلى
الله عليه وسلم او لبعض خواص
امته فاذا جاز ان يخبر سيدنا
عيسى عليه السلام بما ياكلون
وما يدخرون امته في بيوتهم
فلم لا يجوز ان يخبرنا سيدنا
رسول الله صلى الله عليه وسلم
او بعض خواص امته ببعض المغيبات
او الامور الاتية في الدنيا و
البرزخ فان قيل ان ذلك كان
معجزة لسيدنا عيسى عليه السلام
قلنا لم لا يجوز ان تكون هذه
الامور معجزة لسيدنا رسول الله
صلى الله عليه وسلم وكرامة لخواص
امته فان قيل كان ذلك باعلام الله
تعالى اياه قلنا كذلك كان هذا
باعلام الله تعالى اياه وليعلم ان
مسئلة علم الغيب من اكبر المسائل
المتنازعة بين علماء الوقت ووقع
الطرفان في الافراط والتفريط و
تشاجروا بينهم اشد المشاجرات و

وہابیوں کے درمیان زیر بحث اور استدلالی جنگ
کا میدان بنے ہوئے ہیں۔ یہی طرح ان لوگوں کے درمیان
جو ان کے طریق پر چلتے ہیں چنانچہ ان میں سے ایک
علم غیب کا مسئلہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
اور خاصان امت محمدیہ کو حاصل تھا یا نہیں؟ پس
جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھانے اور گھروں کے ذخیروں
کی خبر غیب دیتے ہیں تو یہ امر کیوں جائز نہ ہوگا کہ نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمدیہ کے خاص
خاص مقرب بندے بھی غیب کی چند خبریں دیں
یا دنیا کے مستقبل کے حالات اور برزخ کے حالات
بتائیں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ تو حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ہمارے
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی
کیوں معجزہ نہیں ہو سکتی اور خواص امت کے
لئے کرامت کیوں نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ سوال ہو
کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو تو خود خدا بتا دیتا
تھا، تو ہم کہیں گے کہ ہمارے رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کو بھی تو خدا بتا دیتا تھا۔ اب واضح
رہے کہ مسئلہ علم غیب ایک عظیم الشان
زیر بحث مسئلہ ہے، جس پر علمائے وقت
جھگڑتے رہتے ہیں۔ اور فریقین افراط و
تفریط میں پڑ گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے
ان کے درمیان سخت اختلاف رونما
ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے

كفر بعضهم بعضا فقوم اثبتوا علم الغيب الكلي والجزئي وما كان وما يكون للنبي صلى الله عليه وسلم باعلام الله تعالى اياه وقوم نفوا العلم الكلي رأسا عنه صلى الله عليه وسلم وقالوا ان علم الغيب الكلي لا يكون الا لله تعالى واما الجزئي فكما يكون للرسول كذلك يكون للمجانين والبهائم عياذا بالله تعالى عن هذه العقيدة المفصحة عن توهين الرسول صلى الله عليه وسلم المفضية الى سوء الخاتمة وقوم اثبتوا للنبي صلى الله عليه وسلم جميع علوم الغيب التي تتعلق بالنبوة من[1] الامم السالفة واحوال البرزخ واحوال القيمة ونعم الجنة وعذاب النار وبعض علوم العالم العلوي والسفلي باعلام الله تعالى اياه وهذه العقيدة هي المتوسطة بين الافراط والتفريط واقرب للتقوى وليت شعري اى جواب للمثبتين جميع علوم الغيب الكلي والجزئي وما كان وما يكون للنبي صلى الله عليه وسلم في العلوم

کو کافر بھی کہہ چکے ہیں۔ کیوں کہ ایک فریق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کُلی اور غیب جُزئی اور غیب ماضی ومستقبل ثابت کیا ہے کہ خدا تعالےٰ نے آپ کو ان سب چیزوں کا علم دیا تھا۔ ایک فریق نے سرے سے علم کُلی ہی کی نفی کر دی ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کو حاصل نہ تھا کیونکہ علم غیب کلی اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ اور غیب جزئی تو کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ وہ جس طرح رسولؐ کو حاصل ہے۔ اسیطرح دیوانوں اور چارپایوں کو بھی حاصل ہے (خدا ایسے عقیدہ سے بچائے) یہ ایسا عقیدہ ہے کہ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا اظہار ہوتا ہے اور کشاں کشاں بُرے خاتمہ تک پہنچانے والا ہے۔ ایک فریق نے وہ تمام علومِ غیبیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کئے ہیں جو رسالت اور نبوت سے تعلق رکھتے ہیں یا گذشتہ امتوں اور احوالِ برزخ یا قیامت کے خوفناک حالات سے تعلق رکھتے ہیں یا جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذاب کے متعلق ہیں اس کے علاوہ علم غیب بھی جو عالم بالا اور دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ نے آپکو بتا دیئے ہیں اور یہ عقیدہ افراط و تفریط کے درمیان ہے اور تقویٰ کے قریب ہے۔ کاش ہمیں معلوم ہو جاتا کہ جو لوگ تمام قسم کے علوم غیبیہ کلی جزئی ماضی۔ حال اور استقبال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کرتے ہیں وہ ان علوم کے متعلق کیا جواب

[1] من احوال الامم

المنهية فی الشرع کالنجوم والجفر
والنیرنجات والکهانة والموسیقی
والسحر والرمل والحکمة الیونانیة
فی الالهیات وما جوابهم لقول
الله تعالیٰ وما علمناه الشعر وما
ینبغی له وقوله تعالیٰ وما هو
بساحر وما هو بقول کاهن۔
فان قیل هذه العلوم لیست من
الغیب بل من الشهادة نقول اما
کانت هذه العلوم داخلة فیما
کان وما یکون فان قیل نعم
قلنا رفع الله تعالیٰ ساحة الرسالة
عن الاتهام بهذه العلوم فانه
هو الرسول النبی الامی والکفار
کانوا یتهمونه بالسحر قال الله
تعالیٰ وما هو بساحر ویتهمونه
بالکهانة قال الله تعالیٰ ولا
بقول کاهن وکانوا یقولون
انما یعلمه بشر قال الله تعالیٰ
لسان الذی یلحدون الیه اعجمی
وهذا لسان عربی مبین وان
قیل لا یعنی لیست هذه العلوم
داخلة فیما کان وما یکون
نقول ففی ای شیئ تدخل هذه

دیں گے جو شرع میں ممنوع قرار دئیے گئے ہیں۔ مثلاً نجوم
جفر۔ شعبدہ بازی۔ کہانت۔ موسیقی۔ سحر۔ رمل۔ یونانی
فلسفہ جو الٰہیات کے متعلق ہے۔ (کیا یہ بھی آپ کو
حاصل تھے؟) اور وہ اس کا بھی کیا جواب دیں گے
کہ خود خدائے تعالےٰ نے تصریح کے ساتھ فرمایا ہے
کہ ہم نے اپنے رسولؐ کو شعر کا علم نہیں سکھلایا اور
نہ ہی یہ علم آپ کے شان کے شایاں ہے۔ اور یہ بھی
فرمایا کہ آپ جادوگر نہ تھے اور یہ قرآن کسی کاہن کا
قول نہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ علوم از قسمِ غیب
نہیں بلکہ از قسمِ ظاہر ہیں تو ہم جواب میں پوچھیں گے
کہ اگر وہ غیب میں داخل نہیں تو کیا وہ ماکان ومایکون میں
بھی داخل ہیں یا نہیں؟ تو اگر جواب دیا جائے کہ ہاں
وہ ان میں داخل ہیں تو ہم کہیں گے کہ اگرچہ وہ داخل ہوں
مگر خدا تعالےٰ نے ذاتِ رسالت کو ان علوم کی آلائش سے
صاف کر دیا ہوا ہے کیونکہ آپ رسول اُمّی تھے۔ کفار جادو
کا الزام دیتے تھے مگر خدا نے کہا وہ جادوگر نہیں۔
پھر وہ کہانت کا الزام دیتے تھے کہ جن بھوت کے ذریعہ
سے آپ خبریں دیتے ہیں لیکن خدا نے کہا کہ یہ قرآن کسی
کاہن کا قول بھی نہیں۔ پھر وہ کہتے تھے کہ کوئی اور آدمی
آپکو یہ قرآن سکھاتا ہے تو خدا نے جواب میں کہا کہ جس آدمی
کی طرف تعلیم قرآن کو وہ منسوب کرتے ہیں وہ تو عجمی ہے۔
عربی زبان جانتا ہی نہیں اور یہ قرآن فصیح عربی میں ہے۔
اگر یوں کہا جائے کہ نہیں یعنی ماکان اور مایکون میں یہ
علوم ممنوعہ داخل نہیں تو ہم پوچھیں گے کہ پھر یہ علوم

العلوم - وأي جواب للنافين عن اخباره صلى الله عليه وسلم بعذاب القبر وسوال الملكين وضغطة القبر واخباره عليه الصلوة والسلام بالفتوحات الاسلامية قبل وقوعها واخباره باحوال اخر الزمان فوقع جميع ما اخبر به صلى الله عليه وسلم كما اخبر به واى جواب لهم من تعيين مواضع قتل الكفار فى البدر فقتلوا فى تلك المواضع وهل البهائم والمجانين يخبرون بمثل هذا وسمعت ممن اعمى الله قلبه ان النبى صلى الله عليه وسلم لو كان يعلم فتح المسلمين وقتل الكفار ببدر لما التجاء الى الله فى سجوده بفتح المؤمنين وقتل الكفار ولم يعلم المحروم ان دعائه عليه الصلوة والسلام للمسلمين كان تعبدًا او تواضعًا لله تعالى اما كان عليه الصلوة والسلام يعلم بانه على الصراط المستقيم لقوله تعالى انك على صراط مستقيم ومع ذلك يقرأ فى صلوته اهدنا الصراط المستقيم قال الله تعالى عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احدا الا من ارتضى من رسول وقال الله تعالى

ممنوعہ کس قسم میں داخل ہوں گے؟ اور منکرین علم غیب ان احادیث کا کیا جواب دیں گے۔ جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عذابِ قبر۔ سوالِ ملائکہ۔ قبر کی تنگی کی خبر دی ہے یا جن میں آپ نے قبل از وقوع فتوحاتِ اسلامیہ کی خبر دی ہے۔ یا اخیر زمانہ کی خبریں دی ہیں۔ حالانکہ سب کچھ اسی طرح پیش آیا ہے جیسا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا۔ اور اس کا کیا جواب ہوگا جو آپ نے قتلِ کفار کے مقامات قتل جنگِ بدر میں بتائے تھے۔ چنانچہ وہیں وہ قتل ہوئے جہاں آپنے کہا تھا۔ کیا چار پائے اور دیوانے بھی ایسی خبریں دے سکتے ہیں؟ میں نے خود اُس آدمی سے سُنا ہے جس کے دل کو خدا نے اندھا کر دیا تھا کہتا تھا کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان کی فتح جانتے ہوتے اور بدر میں قتلِ کفار کی خاص خاص جگہیں جانتے ہوتے تو مسلمانوں کی فتح کے لئے اور قتلِ کفار کے واسطے سجدہ میں پڑ کر دعا نہ کرتے۔ میں کہتا ہوں کہ اس محروم العقل کو یہ معلوم نہیں کہ حضور علیہ السلام کی دعا کرنا مسلمانوں کے حق میں خدا کے سامنے تواضع اور اظہار خاکساری تھی۔ کیا آپکو یہ معلوم نہ تھا کہ آپ صراطِ مستقیم پر قائم ہیں۔ حالانکہ خدا نے بتا دیا ہوا تھا کہ آپ صراطِ مستقیم پر ہیں تاہم آپ نماز میں یہ الفاظ دُہرایا کرتے تھے کہ اھدنا الصراط المستقیم ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تمہارا خدا عالم الغیب ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اس رسول کو جسے وہ پسند کرے۔ پھر یہ بھی فرمایا

وما كان الله ليطلعكم على الغيب ولكن الله يجتبي من رسله من يشاء اما كان النبي صلى الله عليه وسلم هو الرسول المرتضى والرسول المجتبى فان قيل نعم دخل النبي صلى الله عليه وسلم في الاستثناء في الاياة الاولى لانه هو الرسول المرتضى وفي مضمون ولكن الله يجتبي من رسله من يشاء لانه هو الرسول المجتبى وان قيل لا نقول فمن الرسول المرتضى والمجتبى الذي ذكره الله تعالى في الايتين المذكورتين والتحقيق في هذا المقام ان جملة عالم الغيب تصح اطلاقها على النبي صلى الله عليه وسلم باعتبار البعض ولا تصح باعتبار البعض الاخر فان علم بعض المغيبات كاخباره صلى الله عليه وسلم باحوال عالم البرزخ من ضغطة القبر وسوال الملكين وسعة القبر سبعين ذراعا على المطيع وضيقه على العاصي واخباره باحوال القيمة من الوقوف والميزان والصراط والحوض والشفاعة والجنة ونعيمها والنار وجحيمها واخباره ببعض المغيبات الدنيوية كمواضع قتل المشركين ببدر ورد كتاب حاطب بن

کہ خدا تو تم کو علم غیب پر مطلع کرنے کے قریب بھی نہیں ہے لیکن اپنے رسولوں میں سے جس رسول کو چاہے انتخاب کر لیتا ہے تو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم برگزیدہ اور منتخب شدہ رسول نہ تھے؟ اگر یوں کہا جائے کہ ہاں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پہلی آیت کے استثناء میں داخل ہیں۔ کیونکہ آپ برگزیدہ اور پسندیدہ رسول ہیں جس کا ثبوت اس آیت میں ہے کہ لیکن اپنے رسولوں میں سے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے انتخاب کر لیتا ہے کیونکہ آپ ہی رسول مجتبےٰ ہیں۔ اگر اس کا انکار کیا جائے تو پھر ہم پوچھیں گے کہ پھر حضور علیہ السلام کے سوا ان دونوں آیات میں کس رسول مجتبےٰ و مرتضےٰ کا ذکر ہے؟ اس مقام پر تحقیق یہ ہے کہ عالم الغیب کے فقرہ کا استعمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صحیح ہے باعتبار بعض علم غیب کے۔ اور بعض علم غیب کے اعتبار سے صحیح نہیں کیونکہ بعض مغیبات کا خبر دینا آپ سے بالکل صحیح اور روشن ہے مثلاً آپ کا عالم برزخ کے متعلق۔ قبر کی تنگی اور منکر نکیر کے سوالوں کی خبر دینا اور نیک بندے کی قبر کا ۷۰ گز تک وسیع ہونے اور بدکار پر تنگ ہونے کی خبر دینا یا احوال قیامت میں خدا کے سامنے پیش ہونے وزن اعمال۔ پل صراط۔ حوض کوثر۔ شفاعت جنت اور اس کی نعمتیں اور دوزخ اور اس کی آگ کا خبر دینا یا چند معاملات دنیا وی سے خبر دینا۔ مثلاً بدر میں مشرکین کی قتل گاہیں بتانا یا حاطب بن بلتعہ کی چٹھی واپس لینا جو اُس نے پوشیدہ طور پر مشرکین کو لکھی تھی

بلتعة المكتوب الى قريش واخباره اباجهل
بما اخفاه فى يده من الحصاة واخباره
بقتل ملك الفرس صبيحة ليلة قتله و
اخباره بموت النجاشى وصلوة الجنازة
عليه فى المدينة واخباره باكل الارضة
صحيفة المعاهدة لقريش المعلقة فى
جوف الكعبة واخباره بموت جعفر الطيار
ورفيقيه فى غزوة المؤتة واخباره
بالفتح على يد الخالد بن الوليد سيف الله
واخباره بفتح باب قلعة الخيبر على يد
على المرتضى واخباره بسم الشاة المسموم
التى اهدتها اليه اليهودية واخباره
بقتل على المرتضى ذا الثديين من الخارجين
واخباره بفتن اخر الزمان الى غير ذلك
من الاخبارات المغيبة كما لا يخفى على
من له ادنى ممارسة فى العلوم الاسلامية
فان قيل اخباراته بالمغيبات المذكورة
كان باعلام الله تعالى اياه قلنا
حصل المقصود ومتى قلنا ان اخباراته
بالمغيبات كانت من عند نفسه بغير
اعلام الله تعالى فاطلاق جملة عالم
الغيب عليه صلى الله عليه وسلم صحيح بهذا
الاعتبار فمن قال من المقلدين انه
عالم بجميع الغيوب او قال عالم

یا ابوجہل کو بتانا کہ اس کی مٹھی میں کنکریاں ہیں۔ یا شاہ
فارس کے قتل کی خبر دینا خاص اسی صبح کو جبکہ مارا گیا
تھا۔ یا موت نجاشی شاہ حبشہ کی خبر دینا۔ پھر مدینہ طیبہ
میں اس پر غائبانہ جنازہ پڑھنا۔ یا یہ خبر دینا کہ دیمک اس
کاغذ معاہدہ کو کھا گئی ہے جو قریش نے آپ کے خلاف لکھ کر
بیت اللہ شریف میں آویزاں کیا تھا۔ یا حضرت جعفر طیار
رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دینا اور اس کے دو
رفیقوں کی خبر دینا جنگ تبوک میں یا حضرت خالد سیف اللہ
کے ہاتھ پر فتوحات کا حاصل ہونا۔ یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کے ہاتھ پر قلعہ خیبر کا فتح ہونا یا بکری کے گوشت میں زہر
ملانے کی خبر دینا جو یہودیوں نے آپ کی خدمت میں بطور
تحفہ بھیجا تھا۔ یا آپ کا خبر دینا کہ حضرت علی کرم اللہ
وجہہ ذوالثدیین خارجی کو قتل کریں گے۔ یا آخر زمانہ
میں فتنوں کا پیدا ہونا۔ غرضیکہ اسی قسم کی غیبی خبریں
کئی ایک اور بھی آپ نے دی ہیں جو اس شخص پر
مخفی نہیں جو علوم اسلامیہ میں مہارت اور واقفیت
رکھتا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ تو خدا کے بتانے
سے آپ نے بتائی ہیں اس لئے یہ خبریں غیب نہیں
بلکہ از قسم وحی ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ پھر بھی ہمارا مدعا
ثابت ہوا کہ آپ عالم الغیب تھے اور جب یوں کہا جائے
کہ خدا تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر کشف کے طور پر آپ نے
یہ خبریں دی تھیں تو اس صورت میں بھی نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا صحیح ہوگا۔ جو مقلد یوں کہتے
ہیں کہ حضور علیہ السلام تمام قسم کے غیب کو جانتے تھے

بما كان وما يكون فمراده من العلوم العلوم التى تتعلق بالرسالة و التبليغ و افحام المنكرين و احوال الانبياء المتقدمين ونجاة اممهم المطيعين وهلاك المنكرين و احوال امته عليه الصلوة والسلام فى آخر الزمان و ما يأتى عليهم من الفتن و ما يجرى عليهم من المحن حتى يدخل اهل الجنة الجنة واهل النار النار نعم العلوم التى لا يليق به من الشعر والجفر والرمل والسيمياء والكيمياء وغير ذلك والعلوم التى لا تعلق لها بالرسالة والنبوة والتبليغ كعلم مثاقيل الجبال ومكاثيل البحار و قطرات الامطار و اوراق الاشجار الى غير ذلك من العلوم التى لا نعلم اسمها و لا رسمها فذلك كله مختصة بخالقها و منشئها و مغنيها فان قيل اذا ثبت انه صلى الله عليه وسلم عالم ببعض العلوم فما معنى اطلاق جملة عالم الغيب عليه قلنا ثبوت الصفة للشخص لا يقتضى العلوم لتلك الصفة

یا یوں کہتے ہیں کہ آپ کو تمام ماکان و مایکون کا علم غیب تھا تو ان کی مراد بھی وہی علوم غیبیہ ہیں۔ جو تبلیغ رسالت اور منکرین کو لاجواب کرنے یا گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے حالات معلوم کرنے کے متعلق ہیں یا ان کی مطیع امت کی نجات اور منکرین کی ہلاکت کے متعلق ہیں۔ یا جو امت محمدیہ کے احوال سے تعلق رکھتے ہیں جو اخیر زمانے میں پیش آئیں گے یا ان فتنوں کی بابت ہیں جو امت محمدیہ پر آنے والے ہیں یا ان تکالیف کے متعلق ہیں جو ان پر آئیں گی۔ یہاں تک کہ اہل جنت جنت میں چلے جائیں گے اور اہل نار دوزخ میں ٹھہریں گے۔ مگر ہاں وہ علوم جو آپ کی شان کے شایاں نہیں مثلاً علم شعر۔ جفر رمل سیمیا۔ کیمیا وغیرہ اور وہ علوم کہ جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے قطعاً نہیں۔ مثلاً پہاڑوں کے وزن معلوم کرنا سمندروں کے پانی ماپنے کا علم یا بارش کے قطرات کی گنتی یا درختوں کے پتوں کی گنتی اور اسی قسم کے اور علوم کہ جن کے نام بھی ہم نہیں جانتے اور نہ ہی ہمیں ان کی تشریح معلوم ہے۔ تو یہ سب قسم کے علوم خاص خدائے خالق سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ جو ان کو پیدا اور فنا کرنے والا ہے کسی انسان کا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ اگر کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض غیبوں کے عالم ہیں تو پھر عالم الغیب کے فقرہ کا آپ پر استعمال کرنے کا کیا مطلب ہوگا۔ تو ہم جواب دیں گے کہ کسی شخص کو کسی صفت سے موصوف کرنے کا یہ

بل يكفي في ذلك حصول بعض
افراد الصفة لذات الشخص
فانك اذا قلت زيد عالم
فليس المراد ان زيداً عالم
بجميع علوم العالم حلالها و
حرامها بل المتبادر من هذا القول
ان زيداً عالم بعلوم المروجة
المتداولة قال الله تعالى ان
الانسان ليطغى ان رآه استغنى
اى بعض الانسان فان كثيرا
من الاغنياء كانوا عباد الله
الصالحين بل الانبياء والمرسلين
صلوات الله عليهم اجمعين ومن
تلك المسائل مسئلة ايصال
ثواب الاعمال لارواح الاموات
قالوا حرام او ممنوع او لغو عبث
لا يضر ولا ينفع على اختلاف
آرائهم مستدلين بقوله تعالى
وان ليس للانسان الا ما سعى.
وفي هذه المسئلة اختلاف كثير بين
علماء الطرفين وذكر حججهم يطول
والعبد الضعيف مؤلف الرسالة
لما رأى بيان الشيخ ابن القيم الجوزية
الحنبلي في هذه المسئلة مشحونا

معنی نہیں ہوتا کہ اس صفت کے تمام اقسام بھی
اس میں موجود ہوں۔ بلکہ اتنا ضروری ہوتا ہے کہ
اس کے بعض حصے اس میں پائے جائیں۔ کیونکہ جب
یوں کہتے ہو کہ زید عالم ہے تو اس سے یہ مراد نہیں
ہوتی کہ زید تمام قسم کے علوم دنیاوی حلال حرام
وغیرہ سب جانتا ہے۔ بلکہ بلا تکلف یہی ذہن میں
آتا ہے کہ زید علوم مروجہ کا عالم ہے۔ جو روزمرہ
استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح خدا کا قول ہے کہ انسان
بیشک حد سے بڑھ جاتا ہے جبکہ وہ اپنے آپکو مستغنی
دیکھتا ہے۔ اس سے مراد بھی بعض انسان ہیں ورنہ
کئی ایک مالدار اللہ کے بندے ہو گذرے ہیں بلکہ
مالدار انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی
تھے۔ اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ ایصال ثواب
کا بھی ہے۔ کہ مردوں کی روحوں کو اپنے اعمال کا
ثواب پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ مخالف کہتے ہیں
کہ حرام ہے یا ممنوع ہے یا بیفائدہ ہے۔ جس میں
نہ نفع ہے نہ نقصان۔ اس کے متعلق ان کے
خیالات مختلف ہیں بہرحال مانعین کی دلیل یہ ہے
کہ خدا نے فرمایا ہے کہ انسان کے لئے اپنی ہی کمائی
کام آئے گی۔ اس مسئلہ میں فریقین کے علماء کے
درمیان بڑا اختلاف ہے جن کے دلائل کا ذکر
کرنا طوالت ہوگا۔ مگر اس رسالہ کے مصنف عبد
ضعیف نے جب شیخ ابن قیم جوزی حنبلی کا اس مسئلہ
میں ایک مضمون دیکھا جس میں انصاف بھرا ہوا

بالانصاف اخذ بيد استحسن
المقابلة معهم باعتقاد الشيخ
فيها لانه من اكابر مشايخهم فى المذهب
لعلهم يرجعون الى الحق وها انا
اذكر ما قال الشيخ رحمه الله تعالى
فى كتاب الروح فقال واما المسئلة
السادسة عشرة وهى هل تنتفع ارواح
الموتى بشيئ من سعى الاحياء ام لا
فالجواب انها تنتفع من سعى الاحياء
بامرين مجمع عليهما بين اهل السنة
من الفقهاء واهل الحديث والتفسير
احدهما ما تسبب اليه الميت فى
حياته والثانى دعاء المسلمين
له واستغفارهم له والصدقة
والحج على نزاع ما الذى يصل
من ثوابه هل هو ثواب الانفاق
او ثواب العمل فعند الجمهور يصل
ثواب العمل نفسه وعند بعض
الحنفية انما يصل ثواب الانفاق
واختلفوا فى العبادة البدنية
كالصوم والصلوة وقراءة القرآن
والذكر فمذهب الامام احمد
وجمهور السلف وصولها
وهو قول بعض اصحاب

تھا۔ تو مَیں نے وہی اختیار کر لیا اور یہی پسند
کیا کہ شیخ موصوف کے عقیدہ کے ساتھ ان کا
مقابلہ کروں، کیونکہ مسائل میں شیخ موصوف مخالفین
کا ایک مُسلّم بزرگ ہے۔ امید ہے کہ وہ بھی
حق کی طرف رجوع کر لیں گے۔ چنانچہ مَیں شیخ
صاحب موصوف رحمہ اللہ کا وہ اقتباس پیش
کرتا ہوں جو آپ نے اپنی کتاب کتاب الروح
میں درج کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ سولھواں مسئلہ یہ
ہے کہ آیا مُردہ کی رُوح زندہ کے اعمال سے فائدہ
اٹھا سکتی ہے یا نہیں؟ جواب یوں ہے کہ فائدہ
اٹھا سکتی ہے دو طریق سے جن پر اہل سنت
کے فقہاء، اہلحدیث اور مفسرین کا اتفاق ہے
پہلا طریق یہ ہے کہ مُردہ اپنی زندگی میں اس عمل کا
باعث بنا ہو۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ زندہ مسلمان
اس کے حق میں دعاء اور استغفار کریں یا صدقہ
خیرات کریں یا حج کریں۔ گو اس میں یہ اختلاف
ہے کہ مُردہ کو ثواب مال خرچ کرنے کا ملے گا یا
اصل عمل کا ثواب ہوگا۔ جمہور اہل علم کے نزدیک
خود نیک عمل کا ثواب ملتا ہے، اور بعض حنفیہ کے
نزدیک نیک عمل پر مال خرچ کرنے کا ثواب ملتا
ہے۔ پھر ان کا اس میں اختلاف ہے کہ بدنی عبادات
مثلاً نماز روزہ، تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی کا
ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ تو امام احمد بن حنبل اور
جمہور سلف کا یہ مذہب ہے کہ یہ بھی پہنچتا ہے

ابی حنیفة نص علی هذا الامام
احمد فی روایة محمد بن یحیی الکحال
قال قیل لابی عبد الله الرجل
یعمل الشیئ من الخیر من صلوٰة
او صدقة او غیر ذلك فیجعل
نصفه لابیه او لامه قال ارجو
وقال المیت یصل الیه کل شیئ
من صدقة او غیرها وقال
ایضًا اقرأ اٰیة الکرسی ثلاث
مرات وقل هو الله احد وقل
اللهم ان فضله لاهل المقابر۔
فالدلیل علی انتفاعه بما تسبب
الیه فی حیاته مارواه مسلم فی
صحیحه من حدیث ابی هریرة
رضی الله عنه ان رسول الله
صلی الله علیه وسلم قال اذا مات
الانسان انقطع عنه عمله الا من
ثلاث الا من صدقة جاریة
او علم ینتفع به او ولد صالح
یدعو له فاستثناء هذه الثلث
من عمله یدل علی انها منه فانه
هو الذی تسبب الیها وفی سنن
ابن ماجه من حدیث ابی
هریرة رضی الله عنه قال

اور یہی قول حضرت امام اعظمؒ کے بعض شاگردوں
کا بھی ہے۔ اور اس فتوے پر محمد بن یحییٰ الکحال
کی روایت میں یوں تصریح موجود ہے کہ امام احمدؒ
سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی کوئی نیک عمل
کرتا ہے مثلاً نماز۔ صدقہ۔ خیرات یا کوئی اور
نیک عمل اور اس کا نصف حصہ اپنے باپ یا
اپنی والدہ کے لئے مقرر کرتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے کہا
کہ مجھے اُمید ہے کہ وہ صحیح ہے پھر فرمایا کہ
میّت کو ہر چیز (از قسم صدقہ وغیرہ) پہنچتی ہے
یہ بھی کہا کہ آیۃ الکرسی تین دفعہ اور قل ہو اللہ
احد ایک دفعہ پڑھو اور یوں دعا میں کہو کہ یا اللہ
اس کا ثواب اہل مقابر کو پہنچے۔ اس امر کا ثبوت
کہ جس نیک کام کا مُردہ خود باعث اپنی زندگی میں
بن چکا ہے اُس سے اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ
ہے کہ امام مسلمؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ
سے ایک روایت لکھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ کہ انسان جب مرتا ہے
تو اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین قسم
کے عمل جاری رہتے ہیں۔ اوّل صدقہ جاریہ
دوم مفید علم سوم نیک اولاد جو اس کے حق
میں دعاگو رہے۔ ان تین اعمال کا استثنا کرنا
اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ عمل بھی اسی میّت کے
ہیں کیونکہ وہی ان کا باعث بنا ہے اور سنن ابن
ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم انما یلحق المومن من عملہ
وحسناتہ بعد موتہ علماً علمہ ونشرہ
او ولداً صالحاً ترکہ او مصحفاً
ورثہ او مسجداً بناہ او بیتاً
لابن السبیل بناہ او نہراً اکراہ
او صدقۃ اخرجہا من مالہ فی
صحتہ وحیاتہ تلحقہ بعد موتہ۔
انتہی مختصراً والدلیل علی
انتفاعہ بغیر ما تسبب فیہ
القرآن والسنۃ والاجماع و
قواعد الشرع اما القرآن
فقولہ تعالیٰ والذین جاؤا
من بعدہم یقولون اغفرلنا
ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان
فاثنی اللہ سبحانہ علیہم
باستغفارہم للمؤمنین
قبلہم وقد دل علی انتفاع المیت
بالدعاء اجماع الامۃ علی
الدعاء لہ فی صلوۃ الجنازۃ
وفی السنن من حدیث ابی
ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ

یہ بھی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ مومن کے نیک اعمال میں سے
موت کے بعد اس کو یہ عمل پہنچتے ہیں۔ اول
جو اس نے پڑھایا اور پھیلایا۔ دوم نیک اولاد
جسے اپنا جانشین بنا گیا۔ سوم قرآن مجید جو ورثہ
میں چھوڑ گیا۔ چہارم مسجد جو اس نے بنائی۔ پنجم
سرائے جو مسافروں کے لئے تیار کی۔ ششم نہر
جو اس نے کھدوائی۔ ہفتم صدقہ جو اپنی زندگی میں
بحالت صحت الگ کر چکا ہے۔ یہ موت کے بعد
اُسے پہنچے گا (مختصر طور پہ یہ مضمون ختم ہوا) اور
یہ امر کہ جس چیز کا باعث وہ مُردہ نہیں بنا۔ اس کا
ثواب یا نفع بھی اسے پہنچتا ہے تو اس کا ثبوت
قرآن، حدیث، اجماع اور اصول شرع سے ملتا
ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے کہ جو مسلمان پہلے
مسلمانوں کے بعد دنیا میں آئے ہیں وہ کہتے ہیں
کہ یا اللہ ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو
بھی بخش، جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں دیکھو
خداتعالےٰ نے ان مسلمانوں کی تعریف کی ہے۔ جو
اپنے پہلوں کے لئے مغفرت مانگتے ہیں، اور اجماع
اُمت محمدیہ سے ثابت ہے کہ نماز جنازہ میں میت کے
لئے دعا کرنے سے اسے فائدہ پہنچتا ہے۔ اور کتب
حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک
روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
کہ جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھو تو خلوص دل

الدعاء وفی صحیح مسلم من حدیث
عوف بن مالک قال صلی اللہ علیہ
وسلم علی جنازۃ فحفظت من
دعائہ وھو یقول اللھم اغفرہ
وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم
نزلہ واوسع مدخلہ الی اخر الحدیث
انتھی مختصرا **فصل** واما وصول
ثواب الصدقۃ ففی الصحیحین
عن عائشۃ رضی اللہ عنھا ان
رجلا اتی النبی صلی اللہ علیہ
وسلم فقال یارسول اللہ ان امی
افتتلت نفسھا ولم توص واظنھا
لو تکلمت تصدقت افلھا اجر
ان تصدقت عنھا قال نعم
وفی صحیح البخاری عن
عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھما
ان سعد بن عبادۃ توفیت امہ
وھو غائب عنھا فاتی النبی صلی
اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان امی
توفیت وانا غائب عنھا فھل ینفعھا
ان تصدقت عنھا قال نعم قال
فانی اشھدک ان حائطی المخراف
صدقۃ عنھا وفی السنن و

سے اس کیلئے دعا کرو اور صحیح مسلم میں عوف بن
مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم
نے ایک جنازہ پڑھا۔ اس میں آپ نے میت کے لئے
جو دعا فرمائی تھی میں نے یاد کرلی چنانچہ آپ فرماتے
تھے کہ یا اللہ اسے بخشدے اور اس پر رحم کر اور
اسے سلامتی دے۔ اس کے قصور معاف کر اپنے
پاس عزت و آبرو کے ساتھ اسے فروکش کر اور اپنی
بارگاہ میں اس کا داخلہ وسیع کر (انتہی) **(فصل**
صدقہ کا ثواب پہنچنا اس حدیث سے ثابت ہے
جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیحین میں مروی
ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک آدمی حاضر
ہوا اور کہا کہ میری ماں مرگئی ہے اور وصیت نہیں
کر سکی۔ مجھے خیال ہے کہ اگر بول سکتی تو ضرور صدقہ
کرتی۔ تو کیا میں اگر صدقہ کروں تو اس کو ثواب ملیگا
تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ضرور ملیگا۔ صحیح بخاری میں
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے
روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی ماں مرگئی اور
وہ غیر حاضر تھا۔ پھر وہ حضور علیہ السلام کے پاس
آیا اور کہنے لگا۔ یا رسول اللہ میری ماں میری
غیر حاضری میں مر گئی ہے تو اگر میں اس کی
طرف سے وکیل بنکر صدقہ کروں تو کیا اسے
کچھ فائدہ ہوگا۔ تو آپ نے فرمایا ہاں فائدہ
ہوگا۔ پھر سعد نے کہا کہ آپ گواہ رہیں کہ میرا مخراف
باغ اس کی طرف سے صدقہ ہے انتہی حدیث

وفی مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ابی مات وترک مالا ولم یوص فھل یکفر عنہ ان اتصدق عنہ قال نعم

۱؎ صلی رسول اللہ

مسند احمد عن سعد بن عبادة
انه قال یا رسول اللہ ان ام سعد
ماتت فای الصدقۃ افضل
قال الماء فحفر بیرا وقال ھذہ
لام سعد ۔ انتھیٰ **فصل** واما
وصول ثواب الصوم
ففی الصحیحین عن عائشۃ رض
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم قال من مات وعلیہ
صیام صام عنہ ولیہ وفی
الصحیحین ایضا عن ابن عباس
رضی اللہ عنہما قال جاء رجل
الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فقال یا رسول اللہ ان امی ماتت
وعلیہا صوم شہر افاقضیہ
عنہا قال نعم وفی روایۃ
جاءت امراۃ الی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فقالت
یا رسول اللہ ان امی ماتت
وعلیہا صوم نذر افاصوم
عنہا قال افرایت لو کان
علی امک دین فقضیتہ اکان
یؤدی ذلک عنہا قالت نعم
قال فصومی عن امک وھذا

مؤمنین ہے اور مسند احمد میں بھی سعد بن عبادہ سے
روایت ہے کہ اس نے کہا کہ میری ماں ام سعد مر گئی
ہے تو آپ فرمائیے کہ کس قسم کی خیرات اس کی طرف
سے افضل ہوگی تو آپ نے فرمایا کہ پانی کی خیرات
افضل ہے۔ پھر اس نے ایک کنواں بنوایا اور
کہا کہ یہ کنواں میری ماں ام سعد کا ہے (انتھیٰ)
(**فصل**) رہا روزہ کا ثواب پہنچانا تو اس کے
متعلق بھی صحیحین میں روایت ہے حضرت عائشہ
سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو
مر جائے اور اس کے ذمہ پر روزے باقی ہوں
تو اس کا وارث اس کی طرف سے روزے رکھے
اور یہ بھی صحیحین میں ہی روایت ہے کہ ایک آدمی
حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری
ماں مر گئی ہے اور اس کے ذمہ ایک ماہ کے روزے
باقی ہیں تو کیا میں اس کی طرف سے قضا کروں
تو آپ نے فرمایا ہاں قضا کرو ایک روایت میں ہے
کہ ایک عورت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی
اور کہنے لگی کہ میری ماں مر گئی ہے اور اس کے ذمہ
پر نذر کے روزے باقی ہیں تو کیا اس کی طرف سے
میں روزے رکھوں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم یہ خیال
کرو کہ اگر اس کے ذمہ پر قرضہ ہوتا تو تو اسے ضرور ادا
کرتی۔ تو کیا وہ اس کی طرف سے ادا ہو جاتا یا
نہ ہوتا۔ کہنے لگی ہاں وہ تو ادا ہو جاتا۔ تو پھر
آپ نے فرمایا کہ تو اس کی طرف سے روزے بھی

اللفظ للبخاری وحدہ تعلیقا
انتہی مختصرا۔ **فصل** واما
وصول ثواب الحج ففی صحیح
البخاری عن ابن عباس
رضی اللہ عنہما ان امراۃ من
جہینۃ جاءت الی النبی صلی اللہ
علیہ وسلم فقالت ان امی نذرت
ان تحج فلم تحج حتی ماتت
افاحج عنہا قال حجی عنہا ارأیت
لوکان علی امک دین اکنت
قاضیۃ اقضوا اللہ فاللہ
احق بالقضاء وروی ایضا
عن ابن عباس رضی اللہ عنہما
ان امراءۃ سالت النبی صلی اللہ
علیہ وسلم عن ابنہا مات ولم
یحج قال حجی عن ابنک انتہی مختصرا۔
ثم قال الشیخ واجمع المسلمون
علی ان قضاء الدین یسقطہ
من ذمتہ ولوکان من اجنبی
اومن غیر ترکتہ وقد دل علیہ
حدیث قتادۃ حیث ضمن
الدینارین عن المیت فلما قضاہما
قال لہ النبی صلی اللہ علیہ
وسلم الآن بردت علیہ جلدتہ

رکھ (یہ لفظ بطور تعلیق کے صرف بخاری ہی میں ہیں) (انتہی)
(**فصل**) رہا ثواب حج کا پہنچنا۔ تو اس کے متعلق
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت صحیحین
میں موجود ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی
کہ میری ماں نے نذر مانی تھی کہ حج کرونگی مگر وہ حج
نہیں کرسکی اور مرگئی تو کیا میں اس کی طرف سے حج
کروں؟ آپ نے فرمایا۔ اس کی طرف سے حج کر۔ پھر
فرمایا کہ تم خود سمجھو کہ اگر تیری ماں پر قرضہ ہوتا تو تو
اس کی طرف سے ضرور ادا کرتی۔ اس لئے خدا کا قرضہ
بھی ادا کرو۔ کیونکہ اس کا قرضہ ادا کرنا تو سب سے زیادہ
ضروری ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی روایت
ہے کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
سوال کیا تھا اپنے بیٹے کے متعلق کہ وہ مرگیا ہے
اور حج نہیں کرسکا۔ تو آپؐ نے فرمایا تو پھر تم اس
کی طرف سے حج کرو (انتہی مختصراً) اس کے بعد شیخ
موصوف فرماتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا اس امر پر
اجماع اور اتفاق ہے کہ میت کا قرضہ بعد میں ادا
کرنے سے ساقط ہوجاتا ہے۔ اگرچہ ادا کرنے والا
کوئی بیگانہ ہو یا اس کے مال متروکہ سے بھی ادا نہ
کیا جائے۔ اور حدیث قتادہؓ کی اس کا ثبوت دیتی
ہے کہ اس نے ایک میت کی طرف سے دو دینار کی
ضمانت دی تھی اور جب ادا کردیئے تو حضور علیہ السلام
نے فرمایا کہ اب تو نے اس کے جسم کو ٹھنڈا کیا ہے۔ اب

واما قراءة القرآن فقال الشيخ في اول كتاب الروح في المسئلة الاولى وقد ذكر عن جماعة من السلف انهم اوصوا ان يقرئ عند قبورهم وقت الدفن قال عبد الحق يروى ان عبد الله بن عمر أمر ان يقرأ عند قبره سورة البقرة وممن رأى ذلك المعلى بن عبد الرحمن وكان الامام احمد ينكر ذلك اولا حيث لم يبلغه فيه اثر ثم رجع عن ذلك وقال الخلال في الجامع كتاب القراءة عند القبور اخبرنا العباس بن محمد الدوري ثنا يحيى بن معين ثنا مبشر الحلبي حدثني عبد الرحمن بن العلاء بن الحلاج عن ابيه قال قال ابي اذا انا مت فضعني في اللحد وقل بسم الله وعلى سنة رسول الله وسن علي التراب سنا واقرء عند رأسي بفاتحة البقرة وخاتمتها فاني سمعت عبد الله بن عمر يقول ذلك انتهى مختصرا ثم قال الشيخ بعد ايراد

رہی تلاوتِ قرآن، تو اس کے متعلق بھی شیخ موصوف نے اپنی تصنیف کتاب الروح کے آغاز میں مسئلہ اول کہہ کر بیان کیا ہے کہ سلف صالحین کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ انہوں نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ دفن کے وقت ان کے پاس قرآن شریف پڑھا جائے۔ شیخ عبد الحق کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے حکم دیا تھا کہ میری قبر کے پاس سورۂ بقر پڑھی جائے اور مجوزین میں سے ایک حضرت علی بن عبد الرحمٰن بھی ہیں اور حضرت احمد بن حنبلؒ جب تک کہ آپکو کسی صحابی کا عمل معلوم نہ تھا۔ اس کے منکر تھے۔ پھر آپ نے رجوع کر لیا اور جناب خلال اپنی جامع میں بعنوان دیگر کہ قبر کے پاس تلاوتِ قرآن جائز ہے لکھتے ہیں کہ عباس بن محمد دوری نے ہمیں بتایا تھا کہ یحییٰ بن معین نے ہمیں بتایا تھا کہ معشر حلبی نے کہا ہے کہ عبد الرحمٰن بن علاء بن حلاج اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ میرے باپ نے کہا تھا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے لحد میں رکھتے ہوئے یوں کہو بسم اللہ علیٰ سنت رسول اللہ۔ پھر مجھ پر مٹی ڈال جانا اور میرے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات پڑھنا کیونکہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے سنا ہوا ہے کہ آپ یوں کہا کرتے تھے (انتہی مختصراً) اس کے بعد کہ شیخ موصوف عقلی

الادلة العقلية والنقلية و
هذه النصوص متظاهرة على
وصول ثواب الاعمال الى الميت
اذا فعله الحى عنه وهذا
محض القياس فان الثواب
حق العامل فاذا وهبه لاخيه
المسلم لم يمنع من ذلك
كما لم يمنع من هبة ماله
فى حياته وابرائه له منه بعد موته
وقد نبه النبى صلى الله عليه
وسلم بوصول ثواب الصوم
الذى هو مجرد ترك ونية
تقوم بالقلب لا يطلع عليه
الا الله وليس بعمل الجوارح
وعلى وصول ثواب القراءة
التى هى عمل باللسان تسمعه
الاذن وتراه العين بطريق
الاولى. ويوضحه ان الصوم نية
محضة وكف النفس عن المفطرات
وقد اوصل الله ثوابه الى الميت
فكيف بالقراءة التى هى عمل و
نية بل لا تفتقر الى النية فوصول
ثواب الصوم الى الميت فيه تنبيه
على وصول سائر الاعمال

اور نقلی دلائل دے چکے ہیں. فرماتے ہیں کہ یہ تصریحات
اس امر پر متفق ہیں کہ جب زندہ میت کی طرف سے
کوئی عمل کرتا ہے تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے
اور عقل کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ گو ثواب عمل کرنے
والے کا حق ہے مگر جب وہ اپنے مسلم بھائی کو
بخش دیتا ہے تو کوئی ممانعت نہیں ہوتی جسطرح
کہ اس امر کی ممانعت نہیں کہ اسکی زندگی میں
اپنا کچھ مال بخشدے یا اسکی موت کے بعد اسکو مال کی
ادائیگی سے بری الذمہ کردے. خود رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبردار کر دیا ہے کہ روزہ
کا ثواب میت کو پہنچتا ہے حالانکہ وہ روزہ صرف
ترک اکل و شرب اور نیت کا نام ہے اور نیت کا تعلق
صرف دل سے ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی
مطلع نہیں ہوتا اور یہ روزہ کوئی محسوس قسم کا عمل
نہیں اور آنحضرت علیہ السلام نے یہ بھی بتا دیا ہے
کہ قرأۃ قرآن کا ثواب بھی بطریق اولے پہنچتا ہے
جو زبان کا عمل ہے اور اسے کان سنتے ہیں اور آنکھ
دیکھتی ہے. اس کی وضاحت یہ ہے کہ روزہ صرف نیت
ہے اور روزہ شکن امور سے اپنے نفس کو روکنے کا نام
ہے. اور خدا اسکا ثواب میت کو پہنچا دیتا ہے تو
بھلا قرأۃ قرآن کا ثواب کیوں نہ پہنچے گا جو عمل اور
نیت سے مرکب ہے بلکہ اس میں نیت کی بھی ضرورت
نہیں ہوتی پس میت کو روزہ کے ثواب کے پہنچنے
میں اس امر کا اشارہ ہے کہ باقی اعمال کا ثواب بھی

والعبادات قسمان مالية و بدنية وقد نبّه
الشارع بوصول ثواب الصدقة على
وصول ثواب سائر العبادات المالية و
نبّه بوصول ثواب الصوم على وصول
ثواب سائر العبادات البدنية و
اخبر بوصول ثواب الحج
المركب من المالية و البدنية
فالانواع الثلثة ثابتة
بالنص والاعتبار وبالله
التوفيق۔

ثم قال الشیخ قال المانعون قال
الله تعالىٰ وان ليس للانسان الا
ما سعى وقال لا تجزون الا ما كنتم
تعملون وقال لها ما كسبت وعليها
ما اكتسبت وقد ثبت عن النبي
صلى الله عليه وسلم انه
قال اذا مات العبد انقطع
عمله الا من ثلاث صدقة
جارية عليه او ولد صالح
يدعو له او علم ينتفع به
من بعده فاخبر انه انما
ينتفع بما كان تسبّب اليه
في الحيوٰة وما لم يكن
قد تسبّب فهو منقطع عنه

میت کو پہنچتا ہے۔ اب عبادات دو قسم ہیں مالی
اور بدنی اور تیسری ان کے مرکب کرنے سے پیدا
ہوتی ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے ثواب صدقہ کے
پہونچنے میں باقی عبادات مالیہ کے پہنچنے پر اشارہ
کر دیا ہے اور روزہ کے ثواب پہنچنے میں آپ نے
اشارہ کیا ہے کہ تمام عبادات بدنیہ کا ثواب پہنچتا
ہے۔ اور آپ نے حج کے ثواب پہنچنے کی بھی خبر دی ہے
جو عبادت مالی اور بدنی سے مرکب ہے پس تینوں قسم
کا ایصال ثواب نص اور قیاس شرعی سے ثابت ہو گیا
وباللہ التوفیق۔

پھر شیخ موصوف لکھتے ہیں کہ مخالفین کی دلیل یہ
ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان کے لئے وہی
ہے جو اس نے کمایا اور یہ بھی فرمایا کہ تم کو اسی کا بدلہ
ملیگا جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ پھر فرمایا کہ انسانی نفس
کے لئے وہ نیک عمل کام آئیگا جو اس نے کمایا ہوگا۔
اور اس پر اس بدعملی کا بوجھ پڑیگا۔ جو نفس پروری کے
لئے اس نے کمائی ہوگی اور حضور علیہ السلام نے فرمایا
کہ انسان مرتا ہے تو اس کے عمل بند ہو جاتے ہیں۔
سوائے تین صورت کے کہ صدقہ جاریہ ہو جو اس کے
نام پر چلتا رہے یا اولاد نیک ہو جو اسے نیک دعا دے
یا مفید تعلیم ہو جس سے اس کے بعد لوگوں کو فائدہ
پہنچے۔ بہرحال حضور علیہ السلام نے وہ اعمال نافع بتائے
ہیں کہ جن میں بحالتِ حیات خود انسان کی اپنی کوشش
کا کچھ دخل ہو اور جنہیں اس کا کچھ دخل نہیں۔ وہ عمل

ثم ذکر الشیخ دلائل عقیدتہم
واعتراضاتہم علی المجوزین
وقال اصحاب الوصول لیس
فی شیئ مما ذکرتم مایعارض
ادلۃ الکتاب والسنۃ واتفاق
سلف الامۃ ومقتضیٰ قواعد
الشرع اما قولہ تعالیٰ وان
لیس للانسان الا ما سعیٰ
فقد اختلفت طرق الناس
فی المراد بالآیۃ فقالت طائفۃ
المراد بالانسان ھٰھنا الکافر
واما المؤمن فلہ ما سعیٰ
وما سعی لہ وقالت طائفۃ
الآیۃ اخبار شرع من قبلنا
وقد دل شرعنا علی ان لہ
ما سعی وما سعی لہ وقالت
طائفۃ اللام بمعنی علی ای و
لیس علی الانسان الا ما سعیٰ
وقالت طائفۃ فی الکلام حذف
تقدیرہ وان لیس للانسان
الا ما سعیٰ او سعی لہ وقالت
طائفۃ اخری الآیۃ منسوخۃ بقولہ
تعالیٰ والذین اٰمنوا واتبعتہم
ذریتہم بالایمان الحقنا بہم ذریتہم

ضرور بند کئے جائینگے۔ اس کے بعد شیخ موصوف
نے انکے عقائد کے دلائل بیان کئے ہیں اور مجوزین
ایصالِ ثواب پر انکے اعتراضات لکھے ہیں۔ پھر جو
ایصالِ ثواب کے قائل ہیں انہوں نے مخالفین کو
یوں خطاب کیا ہے کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے۔ اس
میں ایک دلیل بھی ایسی نہیں جو ہماری تحقیق کے مخالف
ہو جو ہم نے کتاب و سنت اور اجماع سلف صالحین اور
نتائج قیاس شرعیہ سے پیش کی ہے کیونکہ یہ آیت کہ
لیس للانسان الا ما سعیٰ مفسرین کے درمیان
مختلف فیہ ہے کہ اس انسان سے کیا مراد ہے۔ ایک
جماعت کا قول ہے کہ اس سے مراد کافر انسان ہے اور
مومن انسان کیلئے اس کی اپنی کمائی بھی مفید ہے اور
وہ کمائی بھی مفید ہے جو غیر کی طرف سے اس کیلئے
کی جائے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ ایک جماعت کی رائے
ہے کہ یہ آیت پہلی شریعتوں کی خبر دیتی ہے ورنہ
ہماری شریعت میں تو اپنی اور غیر کی [illegible]
ہیں۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ لام بمعنی [illegible]
کا یہ معنی ہے کہ انسان کا نقصان اسی کی [illegible] سے ہوگا
غیر کی بدعملی سے اسے نقصان نہیں پہنچیگا۔ [illegible]
کا خیال ہے کہ اس مقام پر (او سُعِیَ لَہٗ) مقدر ہے
تو اصل آیت یوں ہوگی کہ لیس للانسان الا ما سعیٰ
او سُعِیَ لَہٗ ایک فریق کہتا ہے کہ یہ آیت ہی منسوخ ہے
اس آیت سے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انکی اولاد
ایمان لانے میں انکی تابع ہے تو ہم انکی اولاد کو ان ہی

وهذا منقول عن ابن عباس
رضی الله عنهما وقالت طائفة
اخرى المراد بالانسان الحی دون
المیت ـ قال الشیخ رحمه الله تعالیٰ
وهذه التاویلات کلها من
سوء التصرف فی اللفظ العام ـ
ولم یرض به الشیخ ثم قال ،
قالت طائفة اخری وهو جواب
ابی الوفاء بن عقیل قال الجواب
الجید عندی ان یقال الانسان
بسعیه وحسن عشیرته اکتسب الا
صدقاء واولد الاولاد ونکح
الازواج واسدی الخیر وتوددوا
الی الناس فترحموا علیه واهدوا
له العبادات وکان ذلك اثر سعیه
کما قال صلی الله علیه وسلم ان اطیب
ما اکله من کسبه وان ولده من کسبه
وهذا جواب متوسط یحتاج الی تمام
فان العبد بایمانه وطاعته لله ورسوله
قد سعیٰ فی انتفاعه بعمل اخوان المؤمنین
مع عمله کما ینتفع بعملهم فی الحیوة
مع عمله فان المؤمنین ینتفع بعضهم
بعمل بعض فی الاعمال التی یشترکون فیها
کالصلوٰة فی جماعة ثم قال فدخل المسلم مع

شامل کر دینگے اور یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے ۔ ایک جماعت کی رائے ہے کہ اس سے مراد زندہ انسان ہے ، مُردہ انسان مراد نہیں شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ یہ تمام تاویلیں آیت کے عام لفظ کو بری طرح بگاڑتی ہیں اسئے ہم انکو پسند نہیں کرتے ۔ پھر ایک اور جماعت کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ جواب ابوالوفا بن عقیل کی طرف سے دیا گیا ہے چنانچہ اس نے کہا ہے کہ بہتر جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ انسان اپنی کوشش سے اور اپنی قوم کے نیک سلوک سے دوست پیدا کر لیتا ہے بچے پیدا کرتا ہے بیوی سے نکاح کرتا ہے ۔ غیر سے بھلائی کرتا ہے ۔ اور لوگوں سے دوستانہ گانٹھتا ہے تو لوگ اسپر رحم کرتے ہیں اور عبادات کا تحفہ دیتے ہیں تو یہ سب اسی کی کوشش کا نتیجہ ہوگا ۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ انسان کی بہتر خوراک وہ ہے جو اپنی کمائی سے کھائے ۔ اس کی اولاد بھی اسی کی کمائی ہے مگر یہ جواب نامکمل ہے اس لئے اسے تکمیل کی ضرورت ابھی باقی ہے ۔ کیونکہ انسان اپنے ایمان اور خدا و رسولؐ کی اطاعت سے اپنے عمل کے علاوہ ، اپنے مسلم بھائیوں کے عمل سے بھی فائدہ اٹھانے میں کوشش کرتا ہے جیسا کہ زندگی میں اپنے عمل کے ہوتے ہوئے انکے عمل سے فائدہ اٹھاتا ہے کیونکہ مسلمان ایک دوسرے کے ایسے عمل سے فائدہ اٹھایا کرتے ہیں جس میں ملکر شریک کار ہوں جیسے باجماعت نماز ادا کرنا وغیرہ ۔ پھر شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ مومن کا مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہونا اور ان سے برادری

جملة المسلمین فی عقد الاسلام من اعظم
الاسباب فی وصول نفع کل من المسلمین
الی صاحبه فی الحیوٰة و بعد
مماته ثم قال فالعبد بایمانه
قد تسبب الی وصول هذا الدعاء
الیه فکانه من سعیه یوضحه
ان الله سبحانه جعل الاعادة
سببا لانتفاع صاحبه بدعاء
اخوانه من المومنین وسعیهم
فاذا اتی به فقد سعی فی السبب
الذی یوصل الیه ذلك وقد
دل علی ذلك قول النبی
صلی الله علیه وسلم لعمرو
بن العاص ان اباك لو اقر
بالتوحید نفعه ذلك
یعنی العتق الذی فعل عنه
بعد موته فلو اتی بالسبب
لکان قد سعی فی عمل یوصل
الیه ثواب العتق وهذه
طریقة لطیفة حسنة جدا
انتهی ماذکره الشیخ ابن القیم
الجوزیه رح فی کتاب الروح
فی المسئلة السادسة عشر
بالاختصار قال العبد الضعیف

کا معاہدہ قائم کرنا ہی ایک بڑا سبب ہے اس امر کا
کہ ہر ایک مسلم کو اپنے بھائی کی طرف سے فائدہ پہنچے
زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔ پھر شیخ فرماتے
ہیں کہ انسان اپنے ایمان کی وجہ سے اپنے حق میں
دعائے خیر لینے کا باعث ہوتا ہے تو گویا یہ دعا بھی
اسی کی کوشش ہے۔ اس کی وضاحت اس سے
ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالے نے عبادت کو اس
امر کا سبب بنایا ہے کہ وہ عابد اپنے مسلم بھائیوں
کی دعا اور سعی سے فائدہ اٹھائے تو انسان جب
عبادت کرتا ہے تو وہ گویا اس سبب کے پیدا کرنے میں
کوشش کرتا ہے جس کے طفیل سے وہ فائدہ اس تک
پہنچایا جاتا ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا
فرمان بھی دلالت کرتا ہے جو آپ نے عمرو بن عاص
کو فرمایا تھا جبکہ اسکا باپ بحالت کفر مر گیا اور
اس نے اسکی طرف سے ایک غلام آزاد کیا کہ اگر وہ
توحید کا قائل ہو جاتا تو یہ غلام آزاد کرنا اسے مفید
پڑتا جو اس کی موت کے بعد اسکی طرف سے آزاد کیا
گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر وہ سبب پیدا کرتا تو گویا
یوں سمجھا جاتا کہ وہ ایسا کام کرتا تھا جو اسکو غلام
آزاد کرنے کا ثواب پہنچا دیتا۔ یہ طریق جواب بہت
لطیف اور خوب ہے۔ اب وہ تمام مضمون مختصر طور
پر یہاں ختم ہو گیا ہے جو شیخ ابن قیم جوزی نے
اپنی تصنیف کتاب الروح کے سولھویں مسئلہ میں
درج کیا ہے۔ اب عبد ضعیف (مولف رسالہ ہذا)

ان قلت لاحد ليس لك من الدنيا الا ما تملكه وجاء احدٌ واعطاه مالا كثيرًا فلا يعارض ماحصل له قولك ليس لك من الدنيا الا ما تملكه انتهٰى۔ و من تلك المسائل مسئلة البشرية لسيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال قوم من اطلق البشرية على النبى صلى الله عليه وسلم فقد كفر لان فى هذا الاطلاق توهين للرسول والكفار كانوا يقولون انما انت بشر وقال قوم هو بشر مثلنا لان الله تعالٰى امره بقوله قل انما انا بشر مثلكم ومنزلته عندنا بمنزلة الاخ الاكبر وليت شعرى باى وجه سموه الاخ الاكبر ان كان مرادهم بالاكبرية المتقدم فى الزمان فقط فابو اللهب احق باخوتهم لاتفاقهم معه فى تحقير النبى صلى الله عليه وسلم وان كانت الاكبرية بالرتبة والتقرب الى الله تعالٰى فاى مناسبة لهم به صلى الله عليه وسلم وان كان مرادهم اخوة الاسلام فما معنى الاكبر فانما المؤمنون اخوة ووقع الطائفتان

کہتا ہے کہ اگر تم کسی سے یوں کہدو کہ تیرے پاس تو صرف دنیاوی مال وہی ہے جس کے تم اب مالک ہو۔ مگر کسی نے آکر اسکے بعد اسے بہت مال دیدیا تو اس واقعہ سے تمہارا وہ پہلا کہنا غلط نہ ہوگا کہ تم صرف اتنے مال کے ہی مالک ہو۔ جواب تمہارے پاس ہے (انتہٰی) متنازع فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ بشریت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہے ایک جماعت کا قول ہے کہ جو شخص آپ پر بشر کا لفظ استعمال کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ اسمیں حضور علیہ السلام کی توہین ہوتی ہے کیونکہ کافر ہتک کرتے ہوئے یہ لفظ کہا کرتے تھے کہ تم آخر بشر ہی ہو۔ ایک فریق کا قول ہے کہ آپ ہمارے جیسے ہی بشر تھے کیونکہ آپکو خدا نے حکم دیا ہے کہ آپ کہدیں کہ میں تو تمہارے جیسا ہی انسان ہوں اور ہمارے نزدیک آپ کا مرتبہ بڑے بھائی کے برابر ہے مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ کس وجہ سے ان لوگوں نے رسول کو بڑا بھائی بنا تا ہے کیونکہ اگر اس بڑائی سے مراد پہلے زمانہ میں ہونا مراد ہے تو ابو لہب کو زیادہ مستحق ہے کہ انکا بھائی بن جائے کیونکہ وہ نبی علیہ السلام کی توہین پہلے زمانہ میں ان سے متفق ہو گیا ہے اور اگر بڑائی سے مراد مرتبہ کی بڑائی ہے یا قرب الٰہی کی بڑائی مراد ہے تو ان کو حضور علیہ السلام سے کوئی بھی تناسب حاصل نہیں ہے اور اگر ان کی مراد اسلامی برادری ہے تو پھر بڑا بھائی کہنے سے کچھ فائدہ نہیں کیونکہ تمام مؤمنین چھوٹے بڑے یکساں بھائی ہیں۔ بہرحال یہ دونو فریق افراط و تفریط میں پڑے ہوئے ہیں۔ حق بات یہ ہے کہ

فی الافراط و التفریط والحق الحق فی المسئلة
تفصیل فالبشر اسم لاولاد آدم علیہ السلام
بمعنی الانسان و سماہ اللہ تعالیٰ بشراً فقال
تعالیٰ انی خالق بشراً من طین والنبی صلی اللہ
علیہ وسلم سید اولاد آدم فاذا کان الاب
بشراً لابد ان یکون الولد بشراً لکن البشر له
صفات وخصوصیات ان ارتقیٰ الیٰ
درجات القرب کان افضل من الملئکة
وان نزل الی درکات البعد کان ارذل
من الشیاطین فالانبیاء علیہم الصلوٰة
والسلام عموماً وسیدنا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم بالخصوص ارتقیٰ بفضل اللہ و
رحمته الی اقصیٰ درجات القرب والتمکین
حتی کان فی مقام قاب قوسین او ادنیٰ
لان فضل اللہ کان علیہ عظیما ومع ذلک
القرب هو بشر و انسان بقی الکلام فی المثلیة
الواردة فی القرآن فالمثلیة ثابتة لاشتراک
الناس معه فی ماهیة البشریة والانسانیة
لا فی خصوصیاتها وصفاتها ویکفی فی
المثلیة الاشتراک فی الصفة الواحدة و
لا یلزم الاشتراک فی جمیع الصفات فانک
اذا قلت زید مثل الاسد فمقصودک
اشتراک الزید مع الاسد فی صفة الشجاعة
فقط لا فی جمیع صفات الاسد لانه سبع والزید

اس مسئلہ کی تشریح یوں کی جائے کہ بشر اولاد آدم علیہ السلام
کا نام ہے جس کے معنے انسان ہے۔ خدا نے آدمؑ کو بھی بشر کہا
ہے۔ چنانچہ خدا نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں مٹی سے ایک بشر
پیدا کروں گا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی آدم علیہ السلام
کی ہی اولاد ہیں اور جب باپ بشر ہے تو بیٹا بھی ضرور بشر ہی
ہوگا مگر اس کے علاوہ بشر کے اور اوصاف اور خاصیتیں بھی
ہیں جن کی وجہ سے وہ قرب الٰہی تک پہنچتا ہے اگر وہ یہاں
پہنچ گیا تو فرشتوں سے بھی افضل ہوگا اور اگر بارگاہ الٰہی سے
دوری کے گڑھوں میں گر گیا تو شیطان سے بھی زیادہ رذیل
ہوگا تو انبیاء علیہم السلام عموماً اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم خصوصاً خدا کے فضل و کرم سے قرب الٰہی کے اعلیٰ درجات
پر پہنچ چکے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ تو قاب قوسین او ادنیٰ
کے مقام تک پہنچے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خدا کا فضل آپ پر بے حد تھا
باوجود اس قرب الٰہی کے پھر بھی آپ بشر اور انسان ہی
ہیں۔ اب یہ بحث باقی ہے کہ قرآن شریف میں جو مثلکم آتا ہے
اس سے کیا مراد ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی حقیقت
میں اشتراک کی وجہ سے آپ کو دوسروں سے مساوات حاصل
ہے مگر بشر کی خصوصیات اور اعلیٰ صفات میں ان سے الگ
ہیں اور مساوات فی البشریة کے لئے صرف ایک وصف بھی
کافی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ آپ باقی صفات کاملہ میں بھی
دوسروں کے مساوی ہوں یا وہ آپکے مساوی ہوں جیسا کہ
تم یوں کہتے ہو کہ زید شیر ہے تو تمہارا مقصود صرف یہ ہوتا ہے
کہ زید شیر کے ساتھ شجاعت میں مساوی اور شریک ہے۔ باقی
صفات شیر میں شریک نہیں کیونکہ شیر وحشی جانور ہے اور زید

انسان ولنعم ما قيل في المثل السائر
محمد صلى الله عليه وسلم بشر لا كالبشر بل
هو كالياقوت بين الحجر وما ادري لاى
سبب ينفون البشرية عنه صلى الله عليه
وسلم فان البشرية هي سبب لتصديق
رسالته ومعجزاته وخوارق عاداته فان
المعجزات وخوارق العادات تصير سببا
لتصديق دعوى الرسالة اذا صدرت
من البشر واما ان صدرت من الملك او
من الجن والشياطين فاي غرابة فيه
فان خوارق العادات من الملئكة و
الشياطين امر عادي بل مفهوم المعجزة
وخرق العادة يتصور بالنسبة الى
الانسان بان غير الانبياء عليهم الصلوٰة
والسلام يعجزون عن الاتيان بمثله فلذا
سميت المعجزة خرق العادة اي خرق
عادة بني آدم لا خرق عادة الملئكة و
الشياطين قالوا انه صلى الله عليه وسلم نور
لان الله سبحانه وتعالى قال يا ايها الناس
قد جاءكم من الله نور وكتاب مبين قلنا
آمنا وسلمنا انه نور لكن النورانية تصير
سببا للمدح اذا صار البشر نورا بارتقائه
من كثافة البشرية الى معارج
النور الاصلي اما غير البشر

انسان ہے۔ ایک مشہور ضرب المثل میں خوب کہا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ
علیہ وسلم بشر تو ہیں مگر عام بشر کی مانند نہیں بلکہ آپ یاقوت
کی طرح ہیں کہ وہ بھی پتھر تو ہوتا ہے مگر اسے یاقوت کہتے ہیں
پتھر نہیں کہتے۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ لوگ حضور علیہ السلام سے
بشریت کی نفی کیوں کرتے ہیں حالانکہ بشریت ہی آپ کی رسالت
کی تصدیق اور آپ کے معجزات اور خرق عادات کی تصدیق
کا سبب ہے۔ کیونکہ انسان سے جب معجزات صادر ہوں یا
خرق عادات تو یہی تصدیق رسالت کا سبب بنا کرتے
ہیں ورنہ اگر یہ سب کچھ فرشتوں سے صادر ہوں یا جن اور
شیطان سے پیدا ہو تو کچھ تعجب نہ ہوگا کیونکہ خرق عادات
فرشتوں اور شیاطین سے ایک مسلمہ اور عادی امر ہے
بلکہ معجزہ اور خرق عادت کی حقیقت ہی انسان سے تعلق
قائم کرنے کے ساتھ پیدا ہوا کرتی ہے کہ دوسرے انسان
انبیاء علیہم السلام کے بغیر ایسا کرنے سے عاجز ہوا کرتے ہیں
اسی بنا پر معجزہ کو خرق عادت کا نام دیا گیا ہے یعنی معجزہ
بنی آدم کی روزمرہ عادت کے خلاف ہوتا ہے۔ ورنہ یہ مطلب
نہیں کہ وہ معجزہ فرشتوں یا شیاطین کی طاقت سے بھی
باہر ہوتا ہے۔ صوفی یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نور ہیں کیونکہ
خدا نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! تمہارے پاس اللہ کا نور آیا ہے
اور روشن کتاب (قرآن مجید) لایا ہے۔ اسلئے آپکو بشر کہنا
صحیح نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ہمیں بھی تسلیم ہے اور ہمارا بھی
ایمان ہے کہ آپ نور ہیں مگر نورانیت انسان اور بشر ہی کے
لئے تعریف کا سبب بنتی ہے جبکہ وہ کثافت بشری سے
نکل کر اصلی نورانیت کے بلند مراتب پر ترقی کر جائے اور جب

ان اتصف بالنور فالنورانية فيه طبعية لاكسبية قال الله تعالى والقمر نورا فالقمر ما ارتقى من كثافة المادية الى النورانية بكسبه بل خلقه الله تعالى نورا فيكون نورانيته طبعية وليس فيه غرابة ومدح معتد به قال الله تعالى يهدى الله لنوره من يشاء فالبشرية الصافية عن الكدورات النفسانية مدح واي مدح وكمال اي كمال والعجب من القوم كيف زعموا الكمال نقصا والمدح ذما انتهى۔ ومن تلك المسائل مسئلة التعظيم لغير الله تعالى قال قوم التعظيم لغير الله شرك او كفر او بدعة على اختلاف آرائهم قال المؤلف وفقه ربه لما يحب ويرضى انى الفت كتابا قبل هذا باعوام وسميته بالاصول الاربعة فى ترديد الوهابية وبوبته وفتحت فيه بابا عنوانه الباب الاول فى جواز التعظيم لغير الله تعالى وشاع الكتاب بعد الطبع ووصل الى من يدعى العلم من جماعتهم فقال غير الله يدخل فيه الاصنام والاوثان وتعظيم الاصنام شرك۔ اقول مجيبا له انا ما قلت

انسان کے بغیر اگر کوئی (مثلاً فرشتہ) نورانیت سے موصوف ہو جائے تو اس کی یہ تعریف شمار نہ ہوگی کیونکہ نورانیت اس میں فطرتی ہوتی ہے۔ بعد میں حاصل نہیں ہوتی چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ ہم نے چاند کو نور بنایا تو چاند نے کثیف مادہ سے نورانیت کی طرف ترقی نہیں کی بلکہ خدا نے اسے نور ہی پیدا کیا ہے تو اس کی نورانیت فطرتی ہوگی جسمیں نہ کوئی تعریف نکلتی ہے اور نہ قابلِ قدر روح پیدا ہوتی ہے خدا نے فرمایا ہے کہ خدا جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت کرتا ہے پس ایسی بشریت جو نفسانی کدورتوں سے صاف ہو ایک بڑی تعریف اور مدح ہے اور بہت بڑا کمال ہے۔ مجھے اپنے لوگوں پر تعجب آتا ہے کہ وہ کیسے کمال کو نقص جانتے ہیں اور کس طرح مدح کو مذمت سمجھ رہے ہیں (انتہٰی) مختلف فیہ مسائل میں سے غیر اللہ کی تعظیم بھی ہے چند لوگوں کا خیال ہے کہ غیر اللہ کی تعظیم شرک ہے یا کفر ہے یا بدعت ہے۔ اس میں ان کی رائیں مختلف ہیں مؤلف رسالہ ہٰذا کہتا ہے (خدا اسے اس امر کی توفیق دے جسے وہ پسند کرتا ہے) کہ میں اس رسالہ سے پہلے کئی سال ایک کتاب تصنیف کر چکا ہوں جس کا نام ہے "الاصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ" جس میں کئی باب ہیں اور ایک خاص باب اس عنوان سے لکھا ہے کہ "باب اول غیر اللہ کی تعظیم میں" اور وہ کتاب چھپ کر شائع بھی ہو چکی ہے اور جماعت مخالفین کے اہلِ علم کے پاس پہنچ بھی چکی ہے کہ تاہم مخالف کہتا ہے کہ غیر اللہ میں بت اور مورتیاں بھی داخل ہیں اسلئے تم انکی بھی تعظیم کیا کرو۔ حالانکہ یہ صحیح ہے کہ بتوں کی تعظیم شرک ہے اور جواب میں میں کہتا ہوں کہ میں یہ نہیں کہتا

جمیع غیر اللہ حتی ید خل فیہ الاصنام اما قال تعالیٰ ان الانسان لیطغیٰ ان راہ استغنیٰ الاتدخل الانبیاء علیہم السلام فی نوع الانسان وکیف یحکم علیہم بالطغیان اما قال تعالیٰ یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد الاتدخل الکفار فی بنی آدم وکیف یکون زینتھم عند کل مسجد وامثال ذٰلک کثیر فی القرآن کما فی قولہ تعالیٰ قتل الانسان ما اکفرہ وغیرہ ذٰلک فان دخل الاصنام فی عموم غیر اللہ یدخل الانبیاء المعصومون فی الطغیان والکفار فی المساجد بزعمہم فما کان جوابہم کان جوابنا نعم بعض غیر اللہ الذی امر اللہ بتعظیمہ یجب تعظیمہ اما قال اللہ تعالیٰ ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب والصفا والمروۃ من شعائر اللہ قال اللہ تعالیٰ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ وھما جبلان بقرب الحرم المکی وقال تعالیٰ والبدن جعلناھا لکم من شعائر اللہ والمزدلفۃ والمنیٰ من شعائر اللہ قال اللہ

کہ جمیع غیر اللہ قابلِ تعظیم ہیں تاکہ نہیں بت بھی شامل ہوں۔ کیا خدا تعالیٰ نے یوں نہیں کہا کہ انسان سرکشی کرتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ خود مالدار ہے تو کیا انبیاء علیہم السلام نوعِ انسانی میں داخل نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو اُنپر سرکشی کا حکم کیسے صحیح ہوگا۔ خدا نے یہ بھی کہا ہے کہ اے بنی آدم ہر مسجد اور نماز کے وقت اپنی زینت حاصل کرو تو کیا کفار بنی آدم میں داخل نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو ہر ایک نماز میں انکی زینت کیسے ہوگی۔ غرضیکہ اس قسم کی مثالیں قرآن میں بہت ہیں چنانچہ یہ ایک اور مثال ہے کہ خدا نے کہا ہے کہ انسان بڑا کافر ہے جس سے مراد تمام انسان نہیں۔ اس کے سوا اور بھی کئی ایک مثالیں ہیں پس اگر غیر اللہ کے عام لفظ میں بُت داخل ہیں تو انبیائے معصوم بھی طغیان میں داخل کرنے پہنچینگے اور کفار بھی انکے خیال میں داخل صلوٰۃ ہوں گے تو جو جواب تم دوگے وہی جواب ہم دینگے مگر ہاں بعض غیر اللہ وہ بھی ہیں جن کی تعظیم کا حکم خود خدا نے دیا ہے اسلیئے انکی تعظیم واجب ہوگی۔ کیا خدا نے یوں نہیں کہا کہ جو خدا کی نشانیوں یا دگاروں کی تعظیم کرتا ہے تو تعظیم انکے دل کے تقویٰ کی علامت ہے۔ کہ وہ صفا و کوہ مروہ بھی اللہ کی یادگار ہیں۔ چنانچہ صاف لفظوں میں خدا نے کہا ہے کہ بیشک صفا و مروہ اللہ کے شعائر سے ہیں جو کہ حرم مکہ کے قریب دو چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں یہ بھی کہا ہے کہ بڑے جانور (اونٹ اور گائے) خدا نے تمہارے لیے اپنی یادگار بنائے ہیں مزدلفہ اور منیٰ بھی شعائر اللہ

تعالیٰ فاذکروا اللہ عند المشعر
الحرام واما کان النبی صلی اللہ
علیہ وسلم یستلم الحجر الاسود
الیس فی الاستلام معنی التعظیم و
امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بتعظیم
الوالدین قال اللہ تعالیٰ فی حقہما ولا
تقل لہما اف ولا تنہرہما وقل لہما
قولا کریما وقال ان اشکرلی و
لوالدیک الیس فی الآیتین الامر
بتعظیم الوالدین قال اللہ تعالیٰ لا
یمسہ الا المطہرون الیس فیہ تعظیم القرآن
قال اللہ تعالیٰ وللہ العزۃ ولرسولہ و
للمؤمنین الیس فی الآیۃ التعظیم للرسول
وللمؤمنین قال اللہ تعالیٰ لا ترفعوا
اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجہروا لہ
بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبط
اعمالکم وانتم لا تشعرون الیس
فی الآیۃ التعظیم لرسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم الی
غیر ذلک من الآیات والاحادیث
فی ھذا الباب فان سلمتم
وجوب التعظیم لھؤلاء
المذکورین فما معنی قولکم
التعظیم لغیر اللہ حرام

ہیں۔ چنانچہ خدا نے کہا ہے کہ مشعر حرام (مزدلفہ منی)
میں اللہ کا ذکر کرو۔ ارے یہ تو بتاؤ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم حجر اسود کو کیا نہیں بوسہ دیا کرتے تھے، تو کیا
بوسہ دینے میں تعظیم نہیں ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے تو خود والدین کی تعظیم کا حکم دیا ہے اور خدا تعالیٰ
نے بھی کہا ہے کہ اے انسان تو اپنے ماں باپ کو اُن
کے جواب میں یہ بھی نہ کہو کہ (اُف) میں تمہارے کہنے
سے بیزار ہو۔ اس طرح کان پر آواز نہ کسنا ادمان سے بات
کہنی ہو تو انسانیت سے کہنا پھر کہا کہ اے انسان میرا
شکر گزار رہ اپنے ماں باپ کا بھی شکریہ ادا کر۔ اب بتاؤ کہ
کیا ان دونو آیتوں میں والدین کی تعظیم کا حکم نہیں؟ یہ
بھی کہا ہے کہ قرآن مجید کو پاک ہی ہاتھ لگائیں تو کیا اس
میں قرآن کی تعظیم نہیں؟ پھر کہا کہ اللہ اور رسول اور
مومنین کے لئے عزت ہے تو کیا اس آیت میں رسول اور
مومنین کی تعظیم نہیں بتائی گئی؟ پھر خدا تعالیٰ نے کہا
کہ نبی کی آواز سے اپنی آوازیں بلند نہ کرو، اور کوئی بات نبی
سے کہنی ہو تو گستاخی سے اونچی آواز کیساتھ مت کہو جسطرح
کہ تم ایک دوسرے کو کہہ لیتے ہو۔ ورنہ تمہارے نیک عمل
سب ضبط ہو جائیں گے اور تمہیں پتہ بھی نہ لگے گا۔ تو
کیا اس آیت میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم
مذکور نہیں؟ اس قسم کی اور بھی بہت آیات ہیں اور
احادیث بھی اس مضمون کے متعلق بہت ہیں پس اگر
تم مذکورہ الصدر مخلوق کی تعظیم کا وجوب تسلیم کرتے ہو تو
تمہارے اس قول کا کوئی مطلب نہ ہوگا کہ غیر اللہ کی تعظیم

وان انکرتم فما معنى الآيات المذكورة وما معنى قوله تعالى وتعزروه وتوقروه وان اصررتم على ضلالتكم فنقول كما قال الله تعالى أرأيت من اتخذ الهه هواه و اضله الله على علم وختم على سمعه و قلبه وجعل على بصره غشاوة فمن يهديه من بعد الله فاذا كانت الاماكن والجبال والدواب واجب التعظيم بحكم القرآن فلا شك ان اولياء الله تعالى احياءً او امواتاً من عباد الله المؤمنين الصالحين كلهم واجب التعظيم وقد مر ما قال الله تعالى ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين اليس الاولياء و الصلحاء داخلين فى زمرة المؤمنين ومن الذى قال لئن رجعنا الى المدينة ليخرجن الاعز منها الاذل ارادوا تحقير من عظمه الله تعالى فرد الله عليهم بقوله ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين وتحقير من عظمه الله تعالى دیدان ای فریق من المسلمین انا سمعوا

حرام ہوتی ہے بالفرض اگر تم اسے تسلیم نہیں کرتے تو آپ ہمیں آیات مذکورہ بالا کا مطلب سمجھا دیں کہ کیا ہے؟ اور اس آیت کا مطلب بھی بتا دیں کہ کیا ہے۔ وہ آیت یہ ہے کہ تم اپنے نبیؐ کی عزت و توقیر کیا کرو اور اگر تم اپنی گمراہی پر ہی اڑے رہے تو ہم تمہارے متعلق یہ آیت پڑھ دینگے کہ کیا تم ایسے لوگ نہیں دیکھتے ہو جو ہوائے پرستی کرتے ہیں؟ اور خدا نے دیدہ دانستہ ان کو گمراہ کر دیا ہے اور ان کے کان اور قلب پر مہر کر دی ہے اور آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے تو اب خدا کے بعد ان کو کون ہدایت دے سکتا ہے؟ پس جب مقامات مقدسہ اور پہاڑ اور جانور بھی قرآنی حکم سے واجب التعظیم ٹھیرے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اولیاء زندہ ہوں یا مردہ وہ سارے خدا کے نیک ایماندار بندے ہیں اور وہ واجب التعظیم ہیں۔ چنانچہ میں پہلے یہ آیت لکھ چکا ہوں کہ عزت اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی اور رسول کے ماننے والوں کی۔ تو کیا اولیاء اللہ اور صلحاء اور مومنین کی جماعت میں داخل نہیں؟ بھلا یہ بتاؤ کس نے کہا تھا کہ اگر ہم مدینہ میں واپس آئینگے تو صاحب عزت ذلیل کو وہاں سے نکال دیگا؟ میں بتاؤں، یہ منافقوں نے کہا تھا اور وہ اس سے رسول علیہ السلام کی توہین چاہتے تھے جس کو خدا نے واجب التعظیم قرار دیا تھا۔ اسلئے خدا نے انکی تردید میں کہا کہ عزت تو اللہ اور رسول کی ہے اور مومنین بھی ذی عزت ہیں۔ اب دیکھیں کون نکلتا ہے؟ سچ بتاؤ جس کو خدا واجب التعظیم ٹھیرائے اس کی توہین کرنا

قوله صلى الله عليه وسلم للانصار
حين جاء سعد بن معاذ رضي
الله عنه قوموا لسيدكم فأمر
بالقيام تعظيما له فان قيل الأمر
بالقيام كان لنزوله عن الدابة
لانه كان مريضا قلنا سوق الكلام
يشهد بخلاف ذلك لانه لو كان
المراد بالامر نزوله عن الدابة
فالمناسب ان يقول قم يا فلان
وانزل سعدا او قم يا فلان ويا
فلان وانزلا سعدا لكن الامر
بلفظ الجمع ولفظ السيد في
حقه رضي الله عنه ينادي باعلى
الصوت ان المراد بأمر قوموا لسيدكم
التعظيم والتوقير اما علموا ان
الصحابة رضي الله عنهم كانوا خاشعين
في مجلسه الشريف كان على رؤسهم
الطير والله يهدي من يشاء الى صراط
مستقيم - ومن تلك المسائل مسئلة
سماع الموتى قالوا الموتى لا يسمعون
مستدلين بقوله تعالى انك
لا تسمع الموتى وقوله تعالى
وما انت بمسمع من في القبور
قلنا المراد بالموتى ومن في القبور

کس مسلمان کا کام ہے۔ کیا تم مخالفین نے رسول علیہ السلام
کا یہ حکم بھی نہیں سنا کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
لڑائی سے واپس آئے تھے تو آپ نے انصار سے کہا تھا کہ اپنے
سردار کا کھڑے ہو کر استقبال کرو تو یہ قیام تعظیمی تھا۔ اگر یہ
سوال کیا جائے کہ یہ حکم اس لئے تھا کہ آپ بیمار تھے تا کہ گھوڑے
سے آپکو بازرہ اتاریں۔ ورنہ تعظیم کے لئے یہ حکم نہ تھا۔ تو
ہم کہیں گے کہ اس واقعہ کے متعلق سلسلۂ کلام اس کے
خلاف ہے۔ کیونکہ اگر گھوڑے پر سے اتارنا مراد ہوتا تو یوں
کہنا مناسب تھا کہ ارے فلاں آدمی اٹھو اور ان کو
گھوڑے سے اتار دو۔ یا یوں حکم ہوتا کہ ارے فلاں و فلاں
تم دونو اٹھو اور سعد کو گھوڑے سے اتار دو۔ مگر یہاں تو
جماعت کو مخاطب کیا ہے اور سعدؓ کو سید کہا ہے اور
یہ سید کا لفظ سعد رضی اللہ عنہ کے حق میں بآواز بلند پکار رہا
ہے کہ آپ نے جو فرمایا تھا کہ اپنے سردار کے لئے کھڑے
ہو جاؤ۔ اس سے مراد حضرت سعدؓ کی تعظیم و توقیر تھی
پھر کیا مخالفین کو یہ معلوم نہیں کہ حضور علیہ السلام کے دربار
میں صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے متواضع ہو کر بیٹھتے تھے کہ
گویا ان کے سر پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اب خدا
جسے چاہے راہ راست کی ہدایت کرے۔ مختلف فیہ
مسائل میں سے سماع موتیٰ کا مسئلہ بھی ہے۔ مخالف کہتے
ہیں کہ مردے نہیں سنتے اور ثبوت یہ دیتے ہیں کہ خدا نے
حضور علیہ السلام سے کہا ہے کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے
اور یہ بھی کہا ہے کہ آپ ان مردوں کو نہیں سنا سکتے
جو قبروں میں پڑے ہیں۔ اور ہم جواب میں یوں کہتے ہیں

الکفار والمراد من السماع
سماع قبول والدلیل علی ان المراد
من السماع سماع قبول ان الکفار
ما کان فی اذانهم صمم حتی لا یسمعوا
کلامه صلی الله علیه وسلم فانهم وان
کانوا یسمعون فی الظاهر لکنهم کانوا
محرومین من سمع القبول ومن هذا
الباب قول المصلی سمع الله لمن حمده
فان المراد من السماع سماع قبول کما
یقال نادیت الامیر بحاجتی فما سمعه
یعنی ما سمعه بسمع القبول فلیس فی
الآیتین دلیل علی عدم سماع الموتی
بل فیهما دلیل علی سماع الموتی لان
المشبه وهم الکفار یسمعون فکیف
یشبه بمن لا یسمعون فکما ان الکفار
یسمعون فی الظاهر کذلک الموتی یسمعون
فی الظاهر واما سماع القبول فالکفار
محرومون عنه للانکار القلبی والموتی
محرومون عنه لعدم قدرتهم علی الجواب
فکانهم ما سمعوا ومعنی الآیتین
انک لا تسمع الموتی ولا تسمع من
فی القبور انک لا تسمعهم بل الله تعالی
یسمعهم علی حد قوله تعالی انک لا تهدی
من احببت ولکن الله یهدی من یشاء

کہ مُردوں اور قبر والوں سے مراد یہاں کفار ہیں اور
سُننے سے مراد تصدیقی سننا ہے اور اس امر کا ثبوت
کہ یہاں سُننے سے مراد تصدیقی سننا ہے، یہ ہے کہ کفار
کے کانوں میں بہرا پن نہ تھا کہ حضور علیہ السلام کا کلام نہ سُن
سکتے۔ پس وہ اگرچہ بظاہر سنتے تھے لیکن تصدیقی سُننے
سے محروم تھے۔ اسی محاورہ کے مطابق ہے نمازی کا یوں
کہنا کہ سمع اللہ لمن حمدہ کہ خدا اس کی بات مان لیتا ہے
جو اسکی تعریف کرتا ہے۔ یہاں بھی تصدیقی سُننا مراد ہے
اسی طرح یہ محاورہ بھی ہے کہ میں نے امیر کو اپنی حاجت
روائی کے لئے پکارا، مگر اس نے ایک نہ سُنی یعنی میری
پکار کو منظور نہیں کیا۔ پس دونوں آیتوں میں مُردوں کے
نہ سننے کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ ان میں سماع موتیٰ کا
ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ یہاں کفار کو مُردوں سے مساوی
مانا گیا ہے۔ حالانکہ یہ سنتے تھے اور وہ نہیں سنتے تھے
تو یہ مساوات کیسے ہوگی؟ تشبیہ تب ہی صحیح ہوگی
کہ دونو بظاہر سنتے تسلیم کئے جائیں۔ حقیقت یہ ہے
کہ جس طرح کفار بظاہر سنتے ہیں تو مُردے بھی بظاہر سنتے
ہیں مگر تصدیقی سننا دونوں میں نہیں کیونکہ کفار انکار
قلبی کی وجہ سے اس سے محروم ہیں اور مُردے اس
لئے محروم ہیں کہ وہ جواب نہیں دے سکتے تو گویا
وہ بھی نہیں سنتے۔ اب دونو آیت کا مفہوم یوں ہے
کہ آپ تو ان کو نہیں سنا سکتے۔ مگر خدا ان کو سنا دیگا
جیسا کہ ارشاد ہے کہ آپ تو اسے ہدایت نہیں دے
سکتے جسے آپ پسند کریں لیکن خدا جسے چاہے ہدایت

وقد نص فی القرآن ان اللہ یسمع من
یشاء وما انت بمسمع من فی القبور
راجعا الی الکلام فی اصل السماع
فنقول ان السماع والنظر والکلام
والبطش والمشی وجمیع الافعال
الارادیۃ وظیفۃ الروح بمعاونۃ
الحواس والجوارح مادام فی حالۃ الحیوۃ
وبدون معاونۃ الحواس والجوارح بعد
الممات ومصداق ذالک حالۃ النوم
فان النوم یعطل فیہ الحواس الظاہرۃ
والباطنۃ والجوارح من العمل والروح
یری ویسمع وینظر ویتکلم ویبطش
ویلتذ بالمستلذات ویألم بالمؤلمات
فارواح الاحیاء مع حبسہا فی البدن
تفعل جمیع ماذکر فی النوم فارواح
الاموات المطلقات من حبس البدن
کیف لا تقدر علی ما تقدر
علیہ فی حالۃ حبس البدن
فلذا قیل النوم اخ الموت نعم
ارواح الکفار المحبوسین
فی الدرکات عاجزون عن
الادراکات مشغولون بنتائج
سوء اعمالہم وکذا الفساق
ان لم یرحمہم ربہم

دے دیتا ہے اور قرآن مجید میں اس کی تصریح بھی
موجود ہے کہ خدا جسے چاہے سنا دیتا ہے اور آپ اہل
قبور کو نہیں سنا سکتے۔ اب ہم اصل مسئلہ سماع موتیٰ
کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سننا، دیکھنا
بولنا، حملہ کرنا، چلنا اور تمام خود اختیاری فعل روح
انسانی کا فرض ہیں کہ جب تک انسان زندہ رہے
اس کی روح حواس اور بیرونی اعضا کی امداد سے وہ
فرائض بہم پہنچائے اور موت کے بعد اس کا فرض ہے
کہ بغیر امداد حواس اور بیرونی اعضا کے یہ سب کام کرے
اس کی مثال نیند ہے کیونکہ نیند کی حالت میں تمام حواس
معطل ہو جاتے ہیں، خواہ ظاہری ہوں یا باطنی اور
بیرونی اعضا بھی کام سے رہ جاتے ہیں مگر روح
حسب دستور چلتی ہے اور سنتی ہے، دیکھتی ہے، بولتی ہے
حملہ کرتی ہے، لذیذ چیزوں سے لذت بھی اٹھاتی ہے
اور موذی اشیاء سے تکلیف بھی پاتی ہے۔ پس ثابت
ہوا کہ زندہ کی روح بحالت نوم اگرچہ جسم میں مقید
ہے سب کچھ کر لیتی ہے تو مردہ کی روح جو جسمانی قید
سے رہا ہو چکی ہے کیسے ان افعال پر قادر نہ ہوگی
جن پر کہ بقید جسمانی قادر تھی۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے
کہ نیند موت کے برابر ہے اور ارواح کفار کے جو
دوزخ کے قید خانوں میں قید ہیں وہ ان امور کے دریافت
کرنے سے محروم رہتے ہیں اور اپنی بد عمل کے بد نتائج
میں مبتلا رہتے ہیں اسی طرح گنہگاروں کی روحیں
بھی جب تک کہ خدا ان پر رحم نہیں کرتا۔ اپنے عذاب

ومن تلك المسائل مسئلة التوسل عند الله تعالى بارواح الصلحاء من عباده احياءً وامواتاً وهذه المسئلة لها فروع الفرع الاول بان ينادى ربه ويتوسل بروح المصالح من عباده المقرب لبابه نحو قولنا اللهم انى اتوسل اليك بروح سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم او بروح الشيخ الفلانى وهذا النوع جائز لاغبار عليه عند كافة الامة المرحومة الا من اعمى الله قلبه وختم على سمعه وبصره وقد هدانا الله تعالى الى هذا بقوله يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وابتغوا اليه الوسيلة فلفظة اتقوا الله قبل الامر بابتغاء الوسيلة تشير الى الحث واللزوم بابتغاء الوسيلة الى حضرة قدسه تعالى وتعليم الادب لعباده بتقديم الوسيلة لان طلب المسئول من اكابر الوقت غالبا لا يكون بدون تقديم الوسيلة من الهدية او شفاعة مقرب عنده كذلك طلب

میں مصروف و مبتلا رہتے ہیں۔ متنازع فیہ مسائل میں سے ایک توسل کا مسئلہ بھی ہے کہ آیا اللہ کے نیک بندوں کی روحوں کا خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جائے؟ اور اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ انسان خدا کو پکارے اور بارگاہِ الٰہی کے صالح بندوں میں سے کسی ایک کو اپنا وسیلہ بنائے مثلاً یوں کہے کہ یا اللہ میں تیری بارگاہ میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا وسیلہ لاتا ہوں۔ یا یوں کہے کہ فلاں شیخ کی روح کا وسیلہ لاتا ہوں۔ یہ صورت بلاشبہ جائز ہے تمام اُمت محمدیہ کے نزدیک۔ ہاں اسکا وہ مخالف ہے جس کے دل کو خدا نے اندھا کیا ہوا ہے اور اس کے کان اور آنکھ پر مُہر کر دی ہے اور ہمیں خدائے تعالےٰ نے اس آیت سے ہدایت کا راستہ بتا دیا ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا کے عذاب سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلۂ نجات طلب کرو۔ اس آیت میں وسیلہ طلب کرنے سے پہلے یہ لفظ ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ خدا کی مقدس بارگاہ میں وسیلہ طلب کرنے پر شوق دلایا گیا ہے اور اسے واجب قرار دیا گیا ہے، اور عباد اللہ کے وسیلہ پیش کرنے سے ادب کی تعلیم دی گئی ہے۔ کیونکہ دنیاوی اکابر سے عموماً اپنی حاجت طلب کرنا یوں ہی ہوتا ہے کہ ہدیہ یا تحفہ کو وسیلہ بنایا جائے یا کسی مقرب کی سفارش پیش کی جائے جس کی عزت اُس بزرگ کے دل میں ہو

المسئول من الملك العلام لا يصلح
الا بتقديم الوسيلة واوثق الذرائع
واحسن الهدايا الى الغني المنعام
التوسل بارواح الصالحين
من عباده قالوا التوسل المأمور
في القرآن انما يكون بالاعمال
لا بالابدان مستدلين بحديث
الثلاثة الذين حبسوا في الغار
قلنا كما يجوز التوسل بالاعمال
كذلك يجوز بالابدان كما
توسل سيدنا الفاروق
رضي الله عنه عام قحط المطر
بسيدنا العباس رضي الله عنه
ولان التوسل بالاشخاص
حقيقته هو التوسل باعمال
ذلك الشخص لا بجسمه
الظاهر فصار التوسل
بالاشخاص توسلاً بالاعمال۔
الفرع الثاني من التوسل
بان ينادي الى روح احد
من عباد الله الصالحين بان
يقول يا سيدي رسول الله
اغثني او يا سيدي الشيخ
الفلاني امددني ففيه تفصيل

علیٰ ہذا القیاس عالم الغیب خدا بادشاہ کے دربار میں
بھی اپنی حاجت طلب کرنا ہو لئے وسیلہ پیش کرنے کے
اور کوئی پختہ ذریعہ تلاش کرنے کے بغیر صحیح نہ ہوگا۔ اور
اس سخی لاپرواہ خدا کے دربار میں بہترین تحفہ یہی ہے
کہ ارواح عباد اللہ صالحین کو وسیلہ بنایا جائے گر
مخالف کہتے ہیں کہ جس وسیلہ پیش کرنے کا حکم قرآن
مجید میں ہے اس سے مراد صرف اعمال صالحہ ہی ہیں
کسی کی شخصیت وسیلہ نہیں ہو سکتی اور ثبوت میں وہ
حدیث پیش کرتے ہیں کہ تین آدمی غار میں پھنس گئے تھے
حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے
اعمال حسنہ کو پیش کر کے دعا مانگی تھی اور وہ دعا منظور
بھی ہو گئی تھی اور ہم جواباً کہتے ہیں کہ توسل جس طرح اعمال
سے جائز ہے۔ اسی طرح خدا کے نیک بندوں سے بھی
صحیح ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں
قحط پڑ گیا تھا تو آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ
سے توسل کیا تھا۔ درحقیقت کسی نیک بندے کا توسل
پیش کرنا اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اس کے نیک
عمل پیش کئے جاتے ہیں۔ ورنہ ظاہری جسم پیش نہیں
کیا جاتا تو اس لحاظ سے شخصی توسل بھی توسل بالاعمال
بن جاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ انسان خدا کے
نیک بندوں میں سے کسی ایک کی روح کو پکارے اور
یوں کہے کہ اے میرے مالک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
میری فریاد رسی فرمائیے یا یوں کہے کہ اے پیر آقا
فلاں شیخ میری مدد کیجئے۔ تو اس کی تشریح یوں ہے

ان كان مراد القائل التعوذ اعني نداءه
للعبد الصالح بطريق المجاز و يعلم
ان المعطي والمانع هو الله تعالى و
والعبد الصالح وسيلة الى حضرة قدسه
و يعد نفسه احقر من ان يناجي
ربه فذلك جائز لان الاعمال بالنيات
ولكل امرئ ما نوى فالله تعالى هو
المعطي والنبي صلى الله عليه وسلم
هو القاسم وقد جرت العادات للفقراء
والمحتاجين باظهار فقرهم للقاسم
لا المعطي و يتفرع على هذا المبحث
مسئلة جواز نداء الغائب وعدم جوازه
قالوا لا يجوز النداء للغائب ومن
اعتقده فقد اشرك بالله تعالى قلنا
ما مرادهم بالغائب الغائب عن النظر
ام الغائب عن القلب فان كان مرادهم
الغائب عن النظر فالله تعالى
غائب عن النظر قال الله تعالى
لا تدركه الابصار وهو
يدرك الابصار فلا يجوز لاحدهم
ان يقول يا الله وان كان مرادهم
الغائب عن القلب فالله تعالى حاضر
في قلب كل مؤمن به وليس بغائب و
رسول الله صلى الله عليه وسلم ايضا حاضر في قلب

کہ اگر اس کی مراد مجاز ہے یعنی جب وہ نیک بندے کو
پکارتا ہے تو مجازی طریق پر پکارتا ہے۔ ورنہ وہ بھی جانتا
ہے کہ خدا ہی دیتا ہے یا روکتا ہے مگر عبد صالح درمیان
میں وسیلہ ہے کیونکہ وہ خدا کی بارگاہ میں مقرب ہے اور
میں اس امر کے لائق نہیں کہ خدا سے کوئی راز کی بات کہوں
تو یہ صورت جائز ہوگی کیونکہ اعمال کی بنیاد نیت پر ہوتی
ہے اور انسان کو نیت کا پھل ملتا ہے۔ خدا دینے والا ہے
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا عطیہ تقسیم کرنے والے
ہیں اور یہ دستور چلا آیا ہے کہ فقیر اور محتاج تقسیم کرنیوالے
کے پاس اپنی ضرورت پیش کیا کرتے ہیں اور اصل سخی کی خدمت
میں پیش نہیں کرتے۔ اسی بحث سے ایک اور مسئلہ بھی حل
ہو جاتا ہے کہ غائب کو پکارنا صحیح ہے یا ناجائز؟ مخالف
کہتے ہیں کہ ناجائز ہے کہ غائب کو پکارا جائے اور جو شخص
ایسا عقیدہ رکھتا ہے وہ خدا سے شرک کرتا ہے۔ مگر ہم پوچھتے
ہیں کہ غائب کے لفظ سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ آیا وہ
آدمی جو نظر سے غائب ہو یا دل سے غائب ہو؟
اگر تم نظر سے غائب مراد لیتے ہو تو خدا بھی نظر سے
غائب ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ خدا کو نظر
دریافت نہیں کر سکتی اور وہ بندوں کی نظر کو دریافت
کر لیتا ہے۔ تو کسی مخالف کو بھی یہ کہنا جائز نہ ہوگا کہ
وہ کہے "اے اللہ" اگر مخالف کی مراد اس لفظ سے وہ غائب
ہے جو دل سے پوشیدہ ہو تو خدا تعالیٰ تو ہر ایک کے
قلب میں حاضر ہوتا ہے اور کبھی غائب نہیں ہوتا اور رسول
خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر ایک مومن کے قلب میں

كل مؤمن به وليس بغائب فهو
ينادي الى من في قلبه وحاضر
القلب اعلى واحلى من حاضر النظر
فما بقي للغائب محل يمنعون
النداء اليه واما قولهم
فالله تعالى يسمع والنبي صلى الله
عليه وسلم لا يسمع ففيه بحث
ليس هذا محل نشره وقد
سبق في مسئلة سماع الموتى
نبذًا منه ولئن سلمنا ان النبي
صلى الله عليه وسلم لا يسمع
فنقول فالله تعالى يسمع قول القائل
يارسول الله اغثني اوما سمع لا
سبيل الى الثاني فاذا سمع من عبده
النداء لحبيبه وصفيه واستغاثته
برسوله الذي هو بالمؤمنين رؤف
رحيم اليس مقتضى كرمه انجاح مطلوبه
فان قلت نعم فهو المطلوب وان قلت
لا فعليك بالبرهان وايضا في الحديث
الذي اخرجه البخاري في صحيحه عن ابي هريرة
انه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
ان الله تعالى قال من عادى لي وليًا
فقد آذنته بالحرب وما
تقرب الى عبد بشئ

حاضر ہوتے ہیں اور غائب نہیں ہوتے پس مومن بھی
اسی کو پکارتا ہے جو اس کے دل میں حاضر ہوتا ہے اور
دل کا حاضر نظر کے حاضر سے بالاتر اور مرغوب تر ہوتا ہے
تو کوئی ایسا غائب نہ رہا جس کو پکارنا وہ ناجائز سمجھتے
ہیں اور مخالفین کا یہ کہنا کہ خدا تو سنتا ہے مگر رسول
خدا صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی پکار نہیں سنتے، قابل
غور ہے۔ یہ مقام اس پر بحث کرنے کا نہیں اور مسئلہ
سماع موتی میں اس کی کچھ تفصیل گذر بھی چکی ہے اگر
بالفرض تسلیم بھی کیا جاوے کہ حضور علیہ السلام کسی کی
پکار نہیں سنتے تو ہم پوچھتے ہیں کہ بتاؤ کہ یارسول اللہ
اغثنی کا فقرہ خدا سنتا ہے یا نہیں؟ یہ تو ناممکن ہے
کہ خدا نہ سنے۔ تو جب وہ سنتا ہے کہ اس کا ایک بندہ
اس کے حبیب اور برگزیدہ نبی علیہ السلام کو پکار رہا ہے
اور اس کے اس رسول علیہ السلام سے فریاد کر رہا
ہے جو مومنین پر کمال طور پر رحمدل ہے تو کیا خدا کا
فضل یہ روا نہ رکھیگا کہ اس کی مراد پوری کرے۔ بس
اگر تم اسے مانتے ہو تو ہمارا مطلب بھی یہی ہے۔ اگر
انکار کرتے ہو تو کوئی صحیح دلیل پیش کرو۔ دیکھو
ایک حدیث میں آیا ہے جو امام بخاری رح نے اپنی کتاب
میں درج کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رض کہتے ہیں کہ
حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خدا نے کہا ہے کہ
جو شخص میرے مقرب دوست سے عداوت کرے،
میں اسے لڑائی کا اعلان کروں گا۔ اور میری بارگاہ
میں انسان کے لئے تقرب کا وسیلہ اس سے بڑھ کر

احب الی مما افترضته علیه ولا یزال
العبد یتقرب الی بالنوافل حتی
احببته فاذا احببته کنت سمعه الذی
یسمع به وبصره الذی یبصر به الحدیث
وای اقرب الیه تعالیٰ من حبیبه
صلی اللہ علیه وسلم ثم اذا سمع بسمعه
تعالیٰ وبصر ببصره تعالیٰ فکیف
لا یسمع من ینادیه من قریب او
بعید فان ذلک القرب والبعد انما
هو باعتبارنا لا باعتباره صلی اللہ
علیه وسلم وهذا مشاهد لمن اکتحلت
عینا بصیرته بالنور الالٰهی انتهی۔
ومن تلک المسائل مسئلة زیارة
قبور الانبیاء والاولیاء قالوا
السفر لزیارة القبور ولو کان
قبر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم
بدعة او شرک باختلاف اقوالهم
وما ادری کیف یجترؤن علی شرک
جمیع الامة من لدن زمنه صلی
اللہ علیه وسلم الی هذا الوقت و
قد قال النبی صلی اللہ علیه وسلم
لا یجتمع امتی علی الضلالة
وید اللہ علی الجماعة ومعلوم ان
من قال لاخیه المؤمن یا کافر

نہیں کہ جو میرے فرائض ہیں ان کو وہ ادا کرے۔
اسی طرح میرا بندہ نوافل سے میرا مقرب بنتا چلا جاتا
ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں
تو پھر میں خود اس کی قوتِ سماعت بن جاتا ہوں تو
وہ میرے ذریعہ سے سنتا ہے اور اس کی بصارت
بن جاتا ہوں تو وہ مجھ سے دیکھتا ہے الخ۔ بتاؤ خدا
کا بڑا مقرب اس کے حبیب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے بڑھ کر کون ہے تو ثابت ہوا کہ حضور
علیہ السلام خدائی سماعت سے سنتے ہیں اور اسی کی
بصارت سے دیکھتے ہیں تو پکارنے والا خواہ قریب ہو
یا بعید آپ اس کی پکار کیوں نہ سنیں گے؟ کیونکہ قرب
و بُعد کا فرق تو ہمارے متعلق ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام
کے متعلق نہیں ہوتا۔ اس کا مشاہدہ وہ شخص کر سکتا ہے
جس کی دونوں آنکھوں میں نورِ الٰہی کا سُرمہ لگا ہُوا ہو۔ (انتہیٰ)
متنازع فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ قبور انبیاء اولیاء
کی زیارت کا بھی ہے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ زیارتِ
قبور کے لئے سفر کرنا بدعت ہے۔ اگرچہ وہ قبر رسولِ
خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ہو۔ بعض کہتے ہیں وہ شرک
ہے۔ بہرحال ان کا آپس میں بڑا اختلاف ہے۔ مجھے معلوم
نہیں ہوتا کہ وہ کیسے تمام امت محمدیہ کو مشرک بنانے کی
جرأت کر لیتے ہیں جو عہدِ رسالت سے لیکر اب تک چلی
آئی ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری
اُمت گمراہی پر متفق نہ ہوگی اور اس جماعت پر خدا کا ہاتھ ہے
اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص کسی مومن کو یہ لفظ کہے اے کافر

فقد باء بہ احدہما فالی اللہ المشتکی
فقطع النظر عن الاحادیث فی باب
زیارۃ القبور واقوال العلماء نقول
اما قال اللہ تعالیٰ ولو انہم اذ ظلموا
انفسہم جاؤک فاستغفروا اللہ و
استغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ
توابا رحیما فہل قید سبحانہ تعالیٰ
مجیئہم فی حال الحیوٰۃ کما اولوہا وہل
قید مجیئہم من قریب او بعید کما زعموہا
بل ہی عام الدلالۃ فی حیاتہ و بعد مماتہ
من قریب او بعید واجمع الامۃ قدیما
وحدیثا بجواز زیارۃ القبور و
ترغیب زیارۃ قبور الصلحاء ففی
زیارۃ القبور نفع للمیت بالدعاء لہ
بالمغفرۃ واہداء ثواب القرأۃ لروحہ
ونفع للزائر بالتیقظ والتہیئ للموت
وشفاعۃ ارواح الصلحاء فی حق
زائریہم ولا عبرۃ بفعل بعض الجہلاء
من السجود لقبور الاولیاء او
الطواف بالقبور فان کلا منہا
حرام واللازم علی اہل
البصیرۃ ان یعلموہم
اداب الزیارۃ ولا یمنعوہم
من اصل الزیارۃ الا تری

تو ان دونوں میں سے ایک ضرور کفر لیکر پھرتا ہے (الی اللہ المشتکی)
اس سے قطع نظر کر کے کہ زیارتِ قبور کے متعلق کئی ایک
احادیث وارد ہیں اور اہلِ علم کے تحقیقی قول بھی موجود ہیں
ہم کہتے ہیں کہ کیا خدا نے یوں نہیں کہا کہ اے نبی جن لوگوں
نے اپنی جان پر ظلم کیا تھا اگر وہ آپکے پاس آجاتے اور
اللہ سے معافی مانگتے اور آپ خدا کے رسول بھی ان کے لئے
مغفرت طلب کرتے تو وہ ضرور خدا کو مہربان اور توبہ قبول
کرنے والا پاتے۔ اب تم بتاؤ کیا اس آیت میں خدا نے
رسول کی زندگی کی شرط لگائی ہے؟ جیسا کہ تم اس کی
تاویل کرتے ہو۔ یا یہ شرط لگائی ہے کہ آنے والا دور ہو یا
نزدیک جیسا کہ تمہارا خیال ہے۔ نہیں نہیں۔ یہ آیت
عام مفہوم رکھتی ہے۔ خواہ زندگی میں کوئی آئے یا آپکی
وفات کے بعد۔ پھر وہ خواہ قریب ہو یا بعید قدیم اور
موجودہ اُمت کا اتفاق ہے کہ زیارتِ قبور جائز ہے اور
قبورِ صلحاء کی ترغیب دینا بھی جائز ہے۔ کیونکہ زیارتِ
قبور میں میت کو بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے (کیونکہ اس
کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے اور قرأۃ قرآن کا ثواب
دیا جاتا ہے اس کی روح کو) اور زائر کو بھی فائدہ ہوتا
ہے کہ وہ ہوشیار ہو جاتا ہے اور موت کی تیاری کرتا ہے
اور خدا کے نیک بندوں کی روحیں بارگاہِ الٰہی میں اسکی
شفاعت کرتی ہیں۔ مگر جو کچھ جاہل وہاں جاکر کرتے ہیں
مثلاً قبر کو سجدہ کرنا یا اس کا طواف کرنا۔ تو وہ بہرحال حرام
ہوتا ہے اور اہلِ علم کا فرض ہے کہ ان کو آدابِ زیارت
کی تعلیم دیں اور اصل زیارت سے ممانعت نہ کریں کیا

ولو ان ضريرا فاقد البصر دخل مسجدا وصلى الى غير القبلة فاللازم على اهل البصيرة ان يعلموه ويحولوا وجهه نحو القبلة او يمنعوه من الصلوة اصلا واما استدلالهم بحديث لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد فانه مخصوص بالمساجد كما ورد فى بعض روايات الحديث لفظ المسجد بقوله عليه الصلوة والسلام لا تشدوا الرحال الى مسجد الا الى ثلاثة مساجد فان شد الرحال الى التجارات والغزوات ونحوها مامور الشرع الشريف ولا ينكره الا الجاهل الغبى قال الله تعالى و اتخذوا من مقام ابراهيم مصلى و مقام ابراهيم من آثار الصالحين فاذا كانت الآثار مامورا بالصلوة فيها فما ظنك بضرائحهم الشريفة اذا لم تكن القبور محاذية القبلة.

ومن تلك المسائل مسئلة الشفاعة قالوا الشفاعة غير ممكنة فانها لا تكون الا بان يكون الشفيع وجيها عند الله تعالى او يكون محبوبا لله تعالى وهذان محالان فى حق الله تعالى والثالث الشفاعة

تم نہیں دیکھتے کہ جب نابینا مسجد میں آکر نماز پڑھتا ہے اور قبلہ رُخ نہیں ہوتا۔ تو دیکھنے والے کا کیا فرض ہوتا ہے کہ اُسے بتائے اور اس کا رُخ قبلہ کی طرف کرے یا یہ فرض ہوگا کہ وہاں اسے نماز سے روک دیں؟ مگر ان کی یہ دلیل کہ حدیث میں ہے کہ تین مسجدوں کے بغیر کسی اور مقام کی طرف سواری پر سفر نہ کیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مساجد سے مخصوص ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کی بعض روایات میں مسجد کا صاف لفظ موجود ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ کسی مسجد کی طرف شد رحال یعنی سفر نہ کیا جائے سوائے تین مساجد کے اور تجارت اور جہاد وغیرہ کی طرف سفر کرنا خود شرع شریف میں فرمایا گیا ہے جس کا انکار ہٹ دھرم بیوقوف کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ دیکھو خدا کا حکم ہے کہ مقام ابراہیم علیہ السلام کو اپنی نماز کی جگہ بناؤ اور مقام ابراہیم صالحین کے آثار میں سے ہے۔ تو جب ایسے آثار صالحین میں نماز ادا کرنے کا حکم ہے تو ان کے مزارات کے متعلق تمہارا ممانعت کے لئے کیا خیال ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ ان کے مزارات شریف نمازی کے قبلہ کی طرف نہ ہوں

متنازع فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ شفاعت کا بھی ہے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ شفاعت ناممکن ہے کیونکہ شفاعت اسی صورت میں ہو سکتی کہ شافع وجیہ ہو۔ یا خدا کا محبوب ہو اور یہ دونو امر خدا کے یہاں محال ہیں۔ تیسری صورت شفاعت بالاذن کی ہے اور یہ گو نفی شفاعت کے برابر ہے۔ کیونکہ یہ نہ تو

بالاذن فهی کلا شفاعة لا تکون لاهل
الکبائر ولا للمصرین علی الصغائر
وبعض الصغائر ان قارنها التوبة
والندامة فیرحمه ربه ولا یستطیع
العفو بلا سبب فیاذن لمن یشاء
بشفاعته ویغفره برحمته انتهی عقیدتهم
اقول اولاً لا نسلم ان شفاعة الوجیه
او المحبوب محال لان علی الله تعالی الخوف
من التشفیع ولا الالم من عدم رضاء
محبوبه بل بمحض فضله وکرمه علی
رسوله وخواص عباده وثانیا
ثبوت وجاهة النبی صلی الله علیه
وسلم فی حضرة ربه الاعلی و
محبته له قال الله تعالی فی حق
سیدنا عیسی علیه السلام وجیها
فی الدنیا والاخرة ومن المقربین وقال
الله تعالی فی حق سیدنا موسی علیه السلام
فبرءه الله مما قالوا وکان عند الله
وجیها فاذا کان سیدنا عیسی علیه السلام
وسیدنا موسی علیه السلام وجیهین و
من المقربین فسیدنا رسول الله
صلی الله علیه وسلم اولی واحق
بذلک قال الله تعالی وکان
فضل الله علیک عظیما وقال تعالی

کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہوگی نہ صغیرہ گناہ
پر اصرار کرنے والوں کے لئے ہوگی اور چند صغیرہ
گناہ والوں پر خدا خود ہی رحم کردے گا جبکہ توبہ اور
ندامت ان کے ساتھ ہوگی۔ تو خدا بھی کسی سبب کے بغیر
ان کو معاف نہیں کریگا لیکن جسے چاہے معاف کردیگا
اور جسے چاہے گا شفاعت کی اجازت دیگا (ان کا
عقیدہ یہاں ختم ہوا) مگر میں پہلے تو یہ کہتا ہوں کہ
وجیہ اور محبوب کی شفاعت محال نہیں ہے خدا کے
نزدیک بلکہ ضروری ہے نہ اس لئے کہ خدا شفیع سے
ڈریگا اور نہ اس لئے کہ خدا اپنے محبوب کو ناراض
کرنے سے دردمند ہوگا۔ بلکہ اس لئے کہ وہ اپنے محبوب
اور اپنے خاص بندوں پر خاص فضل و کرم کریگا۔
(دوم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت بارگاہ
الٰہی میں از روئے قرآن ثابت ہے اور آپکی محبوبیت
بھی ثابت ہے۔ ارشاد ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام دنیا و
آخرت میں وجیہ ہیں اور مقربین بارگاہ الٰہی میں سے
ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے
کہ جو الزام مخالفین دیتے تھے۔ اس سے خدا نے آپ کو
بری کردیا اور آپ خدا کے دربار میں وجیہ تھے اور
جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
وجیہ اور مقرب بارگاہ الٰہی ٹھیرے تو حضرت محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مرتبہ کے سب سے
بڑھ کر حقدار ہوں گے۔ کیونکہ ارشاد ہے کہ آپ پر
خدا کا فضل بہت بڑا ہے۔ اور یہ بھی ارشاد ہے کہ

قل انكنتم تحبون الله فاتبعونى يحببكم الله فاذا كان التابع له محبوبًا عند الله تعالىٰ افلا يكون المتبوع محبوبا عنده تعالىٰ وقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وانا حبيب الله فاذا ثبت وجاهته عند الله تعالىٰ ومحبته مولاه له فاي مانع من قبول شفاعته وقال صلى الله عليه وسلم اعطيت الشفاعة قال الله تعالىٰ عسى ان يبعثك ربك مقامًا محمودا واجمع المفسرون بان المراد بالمقام المحمود هي الشفاعة الكبرى رجعنا الى القسم الثالث من الشفاعة فنقول اولًا ان الاستغفار وطلب المغفرة لاحد هي الشفاعة وقد امر الله تعالىٰ انبيائه عليهم الصلوٰة والسلام بطلب المغفرة لامهم قال سيدنا ابراهيم على نبينا وعليه السلام ربنا اغفرلى ولوالديّ وللمؤمنين يوم يقوم الحساب وقال سيدنا

آپ فرمادیں کہ اے مومنین اگر تم خدا کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ تب خدا تعالیٰ تم کو بھی اپنا محبوب بنائے گا۔ خیال کرو کہ جب تابع محبوبِ الٰہی ہوا تو متبوع کیوں محبوبِ الٰہی نہ ہوگا۔ حالانکہ خود رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا خطاب محبوبِ الٰہی ہے۔ تو جب آپکی وجاہت خدا کے دربار میں ثابت ہے اور خدا کی محبت بھی ثابت ہے تو آپ کی شفاعت کے منظور ہونے میں کیا کسر باقی ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مجھے خاص طور پر شفاعت کرنے کا مرتبہ عطا ہوا ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ عنقریب خدا آپکو مقامِ محمود پہ پہنچا دیگا۔ اور تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ مقام محمود سے مراد شفاعتِ کبرےٰ اور عام شفاعت کا مرتبہ ہے۔ اب رہی شفاعت کی تیسری قسم تو اس کے متعلق ہم یوں کہتے ہیں کہ شفاعت کا مطلب ہی یہ ہے کہ کسی کے لئے استغفار اور طلبِ مغفرت کی جائے اور یہ ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ نے خود اپنے انبیا علیہم السلام کو حکم دیا ہوا ہے کہ اپنی اپنی اُمت کے لئے خدا سے مغفرت طلب کریں۔ چنانچہ حسب الحکم خداوندی حضرت ابراہیم علیہ السلام دست بدعا ہو کر فرماتے ہیں کہ اے ہمارے رب مجھے بخش، میرے والدین کو بخش اور مومنین کو بخش جس دن کہ حساب کا محکمہ قائم ہوگا

موسیٰ علیہ السلام انت ولیّنا فاغفر لنا وارحمنا وانت خیر الغافرین وقال سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام ان تعذّبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزیز الحکیم فطلب لهم المغفرة بالطف الالفاظ و قد امر الله تعالیٰ حبیبہ بقوله وصلّ علیهم ان صلواتك سکن لهم فهذا هو الأمر والاذن بالشفاعة وقال تعالیٰ ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله و استغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیما۔ فهل لاستغفار الرسل معنی الا الشفاعة وقال تعالیٰ واستغفر لذنبك و للمؤمنین والمؤمنات والله یعلم

جناب موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یا اللہ تو ہی ہمارا سرپرست ہے ہماری مغفرت کر اور ہم پر رحم کر اور تو تمام مغفرت کرنے والوں سے بہتر ہے اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ یا اللہ اگر میری اُمت کو تو عذاب کرے تو کوئی چارہ نہیں۔ کیونکہ وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو یہ تیری شان کے شایان ہے کیونکہ تو عزت و حکمت کا مالک ہے دیکھو آپ نے کن نرم لفظوں میں مغفرت طلب کی ہے۔ اور خدا تعالےٰ نے اپنے حبیب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد کیا ہے کہ اپنی اُمت پر نماز جنازہ اور دعائے خیر کرو۔ کیونکہ آپکی دعائے خیر اُن کے لئے باعث تسکین ہے پس یہی حکم امر او راذن بالشفاعۃ ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ جب انہوں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے پس اگر آپکے پاس آجاتے۔ اور خدا سے معافی مانگتے اور آپ بھی بحیثیت رسول اللہ ہونے کے ان کے واسطے معافی مانگتے تو وہ ضرور دیکھتے کہ خدا تعالیٰ بڑا مہربان اور توبہ قبول کرنے والا ہے پس انبیاء علیہم السلام کے استغفار کا یہی مطلب ہے کہ وہ اپنی اُمت کے لئے شفاعت کریں۔ چنانچہ خدا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد کیا ہے کہ اپنی کوتاہیوں کی پردہ پوشی طلب کرو اور زن و مرد اہل ایمان کے لئے مغفرت طلب کرو۔ کیونکہ خدا تو تمہارے

منقلبکم ومثواکم فلیس الامر بالاستغفار
الا الاذن بالشفاعة بل اکد الوجوہ
لان الامر اوکد من الاذن بل مدح اللہ
تعالیٰ عوام المؤمنین بالاستغفار
الاخوان من المؤمنین بقولہ تعالیٰ و
الذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا
اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا
بالایمان وقال تعالیٰ ولسوف یعطیك
ربك فترضیٰ و وعد اللہ حق لا یمکن
التخلف ولن یخلف اللہ وعدہ رسلہ
فاعتمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی
وعد ربہ فقال اعطیت الشفاعۃ
بلفظ الماضی ونقول لھم اما تقولون
فی صلاتکم ربنا اغفرلی ولوالدی و
للمؤمنین یوم یقوم الحساب فمن اذن
لکم فی دعاء المغفرۃ للوالدین و
للمؤمنین الیس ھذا الدعاء شفاعۃ
فان قلتم اذن لنا الشارع نقول
اذن الشارع بالشفاعۃ لکافۃ المؤمنین
ولم یاذن لحبیبہ و صفیہ صلی اللہ
علیہ وسلم ھاتوا برھانکم
ان کنتم صادقین واما
قولھم الشفاعۃ لا تکون
لاھل الکبائر ولا للمصرین

حرکات وسکنات سے خوب واقف ہے پس امر
بالاستغفار ہی اذن بالشفاعۃ ہے اور اذن بھی بڑے
زور کا ہے کیونکہ امر کرنا اذن دینے سے زیادہ زوردار ہوتا ہے
صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی دیکھو کہ خدا نے ان مسلمانوں کی تعریف
بھی کی ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں
چنانچہ ارشاد ہے کہ جو اہلِ ایمان بعد میں آئے وہ کہتے ہیں کہ
یا اللہ ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخشدے جو ہم سے
پہلے ایمان لاچکے ہیں پھر ارشاد ہے کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
خدا آپکو اتنا دیگا کہ آپ راضی ہو جائینگے اور خدا کا وعدہ سچا ہے
اسمیں خلافِ وعدہ کی گنجائش نہیں کیونکہ اس نے خود کہا ہے
کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اسی وعدہ
پر بھروسہ کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے (فعل ماضی
کے لفظوں میں) کہ مجھے شفاعت کا عطیہ دیا جاچکا ہے ہم ہم
پوچھتے ہیں کہ کہ اے اہلِ ایمان کیا تم اپنی نماز میں یہ دعا نہیں کیا
کرتے کہ یا اللہ مجھے بخش، میرے والدین کو بخش اور قیامت کے
دن مسلمانوں کو بھی بخش۔ اب بتاؤ تم کو دعائے مغفرت کیلئے
کس نے اجازت دی ہے کہ تم والدین اور مسلمانوں کیلئے دعائے
مغفرت کرتے ہو؟ یہ بھی بتاؤ کہ کیا یہی طلب مغفرت شفاعت نہیں
ہے؟ پس اگر تم یوں کہو کہ خدا نے ہمیں اجازت بخشی ہے تو ہم
پوچھیں گے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ تمکو تو شفاعت کی اجازت ہو تاکہ تم
اہلِ ایمان کے لئے طلب مغفرت کرو اور خدا نے اپنے حبیب اور برگزیدہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت نہ بخشی؟ اگر تمہارے پاس کچھ
صداقت ہے تو اس دعویٰ کی کوئی دلیل پیش کرو۔ اب رہا انکا
یہ قول کہ اہل کبائر کیلئے شفاعت نہ ہوگی اور نہ ان کیلئے

على الصغائر فذلك تحكم وبهتان
على الله تعالى اما قال الله تعالى
ان الله يغفر الذنوب جميعا وان الله
لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون
ذلك لمن يشاء والشفاعة العظمى
التي تكون يوم القيمة لكافة الخلق
المشار عليها بقوله تعالى عسى ان
يبعثك ربك مقاما محمودا
مختصة بسيدنا رسول الله صلى الله
عليه وسلم فقولهم لا يشفع احد
الا باذنه مستدلين بقوله تعالى
من ذا الذي يشفع عنده الا باذنه
صحيح لا شك فيه وقد اذن الله
تعالى لرسوله صلى الله عليه وسلم
بل امره بالشفاعة بقوله تعالى و
صل عليهم ان صلوتك سكن لهم
وقوله تعالى واستغفر للمؤمنين
والمؤمنات كما مر فلذا قال
عليه الصلوة والسلام اعطيت
الشفاعة وتمام الحديث اعطيت
خمسا لم يعطهن احد قبلي
نصرت بالرعب وجعلت لي الارض
مسجدا وطهورا واحلت
لي الغنائم ولم تحل

جو گناہ صغیرہ پر مداومت کرتے ہیں پس ہم کہتے ہیں کہ یہ
قول خدا پر بہتان اور زبردستی کا حکم ہے۔ کیا خدا نے یوں
نہیں کہا کہ بیشک خدا تمام گناہ بخشدیتا ہے۔ ہاں خدا تعالے
یہ گناہ نہیں بخشیگا کہ اسکا کسی کو شریک بنایا جائے اور اس
کے بغیر جسے چاہے، جو گناہ بھی ہوں سب بخشدیگا اور شفاعت
کبرے قیامت کے دن وُہی ہوگی جو تمام مخلوق کی ہوگی۔ اسی
کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ اے نبی خدا تعالے عنقریب
آپکو مقام محمود پر پہنچا دیگا اور یہ شفاعت کبریٰ ہمارے نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی حصہ میں ہے اور آپ سے مختص ہے
پس مخالفین کا یہ کلام کہ اذن الٰہی کے بغیر کوئی شفاعت نہیں
کریگا اور انکا اس آیت سے دلیل پکڑنا کہ کون وُہ ہے کہ بلا
اجازتِ خداوندی اللہ کے پاس کسی کی شفاعت کرے۔
یہ دونو امر صحیح ہیں اور ان میں ذرہ بھر شک نہیں مگر یاد
رہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذن بالشفاعۃ
ہو چکا ہوا ہے بلکہ اس سے بڑھکر امر بالشفاعۃ بھی نافذ ہو چکا ہے
چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے کہ آپ ان کے لئے دعائے خیر کریں
کیونکہ آپکی دعائے خیر اُن کے واسطے تسکین ہے۔ چنانچہ پہلے
گذر چکا ہے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ زن و مرد اہل ایمان کے لئے
آپ دعائے مغفرت کریں۔ اسی وجہ سے آپ نے فرمایا ہے
کہ مجھے شفاعت کبریٰ کا عطیہ دیا جا چکا ہے اور اس حدیث
کے باقی اجزا یہ ہیں کہ مجھے پانچ عطیے عطا ہوئے ہیں اور مجھ
سے پہلے یہ کسی کو نہیں دیئے گئے۔ اوّل میرے رعب سے میری
امداد کیگئی ہے۔ دوم یہ کہ تمام سطح زمین میرے لئے وضو اور
نماز کی جگہ مقرر کردی گئی ہے۔ سوم خاص مجھے غنیمت کا مال حلال

لاحد قبلی واعطیت الشفاعة
وبعثت للناس عامة متفق علیہ۔
واما قولہم لایستطیع تعالی شانہ
العفو بلاسبب فنقول اذا لاھذا
القول اشنع من قول النصاری
ھل یستطیع ربک ان ینزل علینا
مائدۃ من السماء لان النصاری
ترددوا فی الاستطاعۃ فجاؤا بلفظة
ھل وھؤلاء تیقنوا فی عدم
الاستطاعۃ فقالوا لایستطیع العفو
بلاسبب وثانیا ان العباد یستطیعون
العفو بلاسبب بل بمحض الکرم واللہ
سبحانہ وتعالی لایستطیعہ وھو
تعالی فعال لما یرید لایسئل عما
یفعل فھذہ نتیجۃ توحیدھم وادبھم
مع ربھم بل زاغوا فازاغ اللہ
قلوبھم ربنا لاتزغ قلوبنا بعد
اذھدیتنا۔ انتھی ومن تلک المسائل
مسئلۃ اعراس المشائخ ومولد النبی صلی اللہ علیہ
وسلم فی الاوقات المعلومۃ قالوا احرام
بتعیین الاوقات والموالید بدعۃ یشبہ
فعل الھنود ونقول ان منعوا نفس الاعراس
یعنی اطعام الطعام للمساکین وذوی
الحاجات بنیۃ ایصال الثواب

کردیا گیا ہے ورنہ مجھ سے پہلے کسی نبی کو اسکا استعمال جائز
نہ تھا چہارم مجھے عام شفاعت کا حق دیا گیا ہے پنجم یہ کہ میں
تمام مخلوقات کیطرف رسول بناکر بھیجا گیا ہوں (یہ حدیث
بخاری ومسلم میں ہے) مخالفین کا یہ قول کہ خدا تعالی بلاوجہ
معافی نہیں دے سکتا، بالکل غلط ہے اور ہم کہتے ہیں
کہ پہلے تو یہ قول اُن عیسائیوں کے کلام سے بھی بڑھکر
معیوب ہے جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کہا تھا کہ کیا
تیرا رب آسمان سے ہمارے لئے کھانا اُتار سکتا ہے؟
کیونکہ عیسائیوں نے خدا کی قدرت میں شک کیا تھا اسلئے
انہوں نے سوالیہ فقرہ پیش کیا اور اِن لوگوں نے یقین
کرلیا ہے کہ خدا کو قدرت ہی نہیں کہ اپنا حق بھی بلاوجہ
معاف کردے۔ دوم یہ کہ بندہ اپنا حق بلاوجہ معاف کرسکتا
ہے بلکہ صرف کرم اور مہربانی سے معاف کرسکتا ہے اور
ان کے نزدیک خدا کو یہ طاقت نہیں۔ حالانکہ وہ جو چاہے
کرتا ہے، اس سے کوئی چون وچرا نہیں۔ دیکھو یہ اُن کی
توحید کا نتیجہ ہے اور اپنے رب کی تعظیم کا ثمرہ ہے یہ نہیں
نہیں، بلکہ وہ گمراہ ہوگئے۔ یا اللہ تو ہمارے دل کو
راہ راست سے نہ پھیر، بعد اس کے کہ تُو نے ہمکو سیدھی
راہ دکھائی ہے۔ مختلف فیہ مسائل میں سے عرس مشائخ
اور میلاد نبوی کا مسئلہ بھی ہے۔ جو مقررہ اوقات میں
منائے جاتے ہیں. مخالفین کہتے ہیں یہ حرام ہیں بوجہ تعیین
وقت کے اور مجالس میلاد فعل ہنود سے مشابہ ہیں مگر
ہم کہتے ہیں کہ اگر اصل حقیقت عرس کو ممنوع کہیں یعنی
مساکین اور حاجتمندوں کو کھانا کھلانا تاکہ ایصال ثواب

فذلك مكابرة ومخالفة للشرع
قال الله تعالى واطعموا القانع و
المعتر وقال تعالى انفقوا مما رزقناكم
من قبل ان ياتي يوم لا بيع فيه ولا
خلة ولا شفاعة وقال تعالى وما انفقتم
من نفقة او نذرتم من نذر فان الله
يعلمه وقال تعالى واقيموا الصلوة و
اتوا الزكوة واقرضوا الله قرضا حسنا
وما تقدموا لانفسكم من خير تجدوه
عند الله هو خيرا واعظم اجرا وقال
تعالى ويطعمون الطعام على حبه مسكينا
ويتيما واسيرا وان منعوها للتعيين
الاوقات فتعيين الوقت لا يضر في
الامور المباحة الا ترى ان الشارع
عليه الصلوة والسلام امر امته بصوم
يوم عاشوراء وامر بصوم ست من شوال
وامر بالتهجد في الليل وصلوة الاشراق
والضحى في الاوقات المعينة وامر
بالعقيقة في اليوم السابع من ولادة المولود
وغيرها فعين للامور المباحة اوقات
معينة والمقصود من تعيين الايام للاعراس
اجتماع الناس من النواحي بلا كلفة
لا غير وان منعوها لعدم ايصال الثواب
فذلك باطل عقلا ونقلا ويكفي في المقصود

ہو۔ تو یہ کج بحثی ہو گی اور شرع کا خلاف ہو گا کیونکہ خدا خود
حکم دیتا ہے کہ سوالی اور غیر سوالی حاجتمندوں کو کھانا کھلاؤ
یہ بھی فرمایا کہ جو مال ہم نے تمکو دیا ہے۔ اس سے خرچ کرو اللہ
کی راہ میں پیشتر اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت
ہو گی نہ دوستانہ کام آئیگا اور نہ تمہارے کسی دوست کی سفارش
کام آئے گی۔ یہ بھی فرمایا کہ جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے
ہو یا نذر دیتے ہو خدا اسے جانتا ہے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ
نماز بلا ناغہ ادا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کو قرض حسنہ دو
اور جو خیرات تم اپنے لئے پیشگی بھیجو گے اُسے خدا کے یہاں
بہتر پاؤ گے اور اسکا ثواب بہت پاؤ گے۔ یہ بھی فرمایا کہ مومن
کھانا کھلاتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو اگرچہ
ان کو خود اس کھانے کی خواہش ہو۔ اگر مخالفین تعیین وقت
کی وجہ سے عرس کو حرام کہتے ہیں تو غلط ہے کیونکہ تعیین
وقت امور مباح میں مضر نہیں ہوتی۔ ارے تم یہ نہیں
دیکھتے کہ حضور علیہ السلام نے یوم عاشورا کے روزہ کا اپنی
اُمت کو حکم دیا تھا اور شوال کے چھ روزوں کا بھی حکم دیا
تھا اور رات کو نماز تہجد کا حکم دیا تھا اور صلوۃ اشراق کا اور
صلوۃ ضحیٰ کا اور ان سب کے اوقات متعین ہیں اور حکم دیا کہ پیدائش
کے بعد ساتویں روز بچے کا عقیقہ دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ ان
سب میں آپ نے وقت مقرر کر دیئے ہیں اور تعیین وقت عرس
میں اصل مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ بلا تکلف جمع ہو جایا کریں
اس کے سوا کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔ اگر وہ اسلئے منع
کرتے ہیں کہ میت کو ثواب نہیں پہنچتا تو یہ بالکل غلط ہے
نہ اسے عقل مانتی ہے نہ کوئی نص تسلیم کرتی ہے اور ہمارے

حدیث بیرام معنی فان اهداء ثواب
العمل للغیر حیا ومیتا جائز بل مامور
بها الا تری ان الحج من الغیر عند عدم
القدرة ورد به الشرع کما امر الشارع
علیه الصلوة والسلام المراة السائلة
عند انصرافه من مزدلفة عام حجة الوداع
واما الموالید بهیئتها الکذائیة فانها
وان لم تکن فی زمن خیر القرون لکنه
امر مستحسن معمول کافة المسلمین شرقا
وغربا الا فی الفرقة المحدثة الغیر المقلدة
ومارآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن
ولیس فی قراءة الموالید الا مدح النبی
صلی الله علیه وسلم وانشاد الشعر فی مدحه
صلی الله علیه وسلم وقراءته قراءة مدحه
سنة الاصحاب بل سنة النبی صلی الله علیه
وسلم لما روی ان النبی صلی الله علیه وسلم
کان یسمع الاشعار المدحیة من حسان
بن ثابت وکعب بن زهیر وسواد بن قارب
وغیرهم فمن یقول ان قراءة المولود
ممنوع او مذموم وفعل یشبه الهنود فهو
بنفسه مذموم ومطرود وما ادری لای
سبب یمنعون قراءة المولود ما یمنعون
الامور المستحدثة غیر المولد کبناء الرباطات و
تزیین المساجد بالنقوش وکتابة المصاحف المزخرفة

اس مقصد (ایصال ثواب) کیلئے ام سعد کے کنوئیں کی
حدیث کافی ہے. کیونکہ غیر کے عمل کا ثواب پہنچانا بحالت
حیات وموت دونوں صورتوں میں جائز ہوتا ہے بلکہ اسکا
حکم ہو چکا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ قدرت نہ ہو تو غیر سے
حج کرانے میں شرعی حکم وارد ہے. چنانچہ حضور علیہ السلام
حجۃ الوداع میں مقام مزدلفہ سے واپس تشریف لاتے تھے
تو ایک عورت نے یہی سوال کیا تھا اور مجالس میلاد اپنی ہیئت
موجودہ شکل میں خیر القرون کے وقت موجود نہ تھیں مگر اس
میں شک نہیں کہ یہ فعل مستحسن ہے اور تمام اہل اسلام کا شرق
و مغرب میں معمول بہ ہے سوائے فرقہ نجدیہ غیر مقلدین کے
اور یہ اصول ہے کہ جس امر مباح کو مسلمان مستحسن سمجھیں وہ
خدا کے نزدیک بھی مستحسن قرار پاتا ہے اور مجلس میلاد میں یہی
ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ذکر کیجاتی ہے
یا آپکی مدح میں شعر پڑھے جاتے ہیں اور مدحیہ اشعار کا
پڑھنا سنت صحابہؓ ہے بلکہ سنت نبویہ ہے. کیونکہ روایات
سے ثابت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان
بن ثابت سے اپنے اشعار مدحیہ سنا کرتے تھے اور کعب بن
زہیر اور سواد بن قارب وغیرہ سے بھی آپ اشعار مدحیہ سنتے تھے
اس لئے جو شخص یہ کہتا ہے کہ ذکر میلاد اور مدحیہ اشعار کا پڑھنا
ممنوع یا برا ہے اور فعل ہنود ہے وہ شخص خود برا ہے اور
راندۂ درگاہ نبوی ہے. اب مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس وجہ
سے ذکر میلاد کو منع کرتے ہیں اور مجالس میلاد کے علاوہ دیگر
نو پیدا امور کو کیوں منع نہیں کرتے. مثلاً مسافر خانوں کا بنانا
یا مساجد کا سجانا بیل بوٹے سے یا قرآن مجید کو سنہری حروف

بالمذهب تعليم العلوم العقلية والعلوم
العربية كالصرف والنحو والحكمة والرياضيات
ولبس ثياب مروجة الوقت واكل الاطعمة
الملونة فكل ذلك مباح لا اعتراض عليه
لكن قراءة المولد الذي فيه ذكر ولادة النبي
صلى الله عليه وسلم وذكر معجزاته وخوارق
عاداته عند هولاء حرام او بدعة ولا يظهر
لمنعه سبب الا حبهم له صلى الله عليه وسلم
ومن تلك المسائل مسئلة تصوره صلى
الله عليه وسلم في الصلوة قال امامهم
تصوره عليه الصلاة والسلام في الصلوة
اسوء من تصور بهائم المصلي وسموا
اخس انواع البهائم وانا لا اقدر ذكر
ما سموه من البهائم في مقابلة اسمه
الشريف تأدبا وهذه العقيدة من اشنع
عقائدهم اعاذنا الله تعالى منها ومع ذلك
يسمونه بفخر العالم فاذا كان هذا حال
فخر العالم فماذا يكون حال من كان دونه
في القرب من الانبياء والصالحين وكيف
يتصورون سيدنا الخليل عليه السلام
حين يقرؤن قوله تعالى في الصلوة واتخذ
الله ابراهيم خليلا وكيف يتصورون
سيدنا موسى عليه السلام حين يقرؤن وكلم
الله موسى تكليما وكيف يتصورون سيدنا عيسى

سے لکھنا یا علوم عقلیہ مروجہ کا تعلیم دینا یا عربی علوم کی تعلیم
مثلاً صرف، نحو، فلسفہ، ریاضی وغیرہ یا زمانہ حال کے مروجہ
لباس کا استعمال یا مختلف قسم کے کھانے تناول کرنا جب
اصل میں یہ سب مباح ہیں وہ ان پر کوئی اعتراض نہیں کرتے
مگر ذکر میلاد جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا تذکرہ
ہوتا ہے یا معجزات اور خرق عادات بیان ہوتے ہیں جو
آپکی ولادت کے وقت رونما ہوئے تھے تو اسے حرام یا بدعت
بتاتے ہیں۔ شائد ممانعت کی وجہ صرف یہی معلوم ہوگی کہ یہ حضور
علیہ السلام سے اظہار محبت کرتے ہیں اور بس، خوب! ان
مسائل میں سے حضور علیہ السلام کے تصور کا بھی مسئلہ ہے جو نماز
میں بلا اختیار آجاتا ہے۔ مخالفین کے امام کا قول ہے کہ نماز
میں حضور علیہ السلام کا خیال آجانا نمازی کے اپنے جانوروں کے
خیال سے بھی بدتر ہے اور اس مقام پر اس نے ایک بدترین
جانور کا ذکر کیا ہے۔ مگر میں جرأت نہیں کرسکتا کہ اس بُرے جانور
کا نام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے مقابلہ پر
ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذکر کروں۔ اور انکا یہ عقیدہ بدترین
عقائد میں سے ہے۔ ایسے عقائد سے خدا بچائے۔ تعجب ہے کہ
پھر یہ لوگ حضور علیہ السلام کو فخر عالم بھی کہتے ہیں۔ مگر تم سوچو کہ جب
فخر عالم کا انکے نزدیک یہ حال ہے تو دوسرے انبیاء و صالحین
کا کیا حال ہوگا۔ جو آپ سے بارگاہ الٰہی میں کم درجہ پر مقرب ہیں
وہ بتائیں کہ جب وہ نماز میں واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا
پڑھتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تصور کو کیا سمجھتے ہیں
یا جب کلم اللہ موسیٰ تکلیما پڑھتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام
کے تصور کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام

عليه السلام حين يقرؤن فى الصلوة و كان وجيها فى الدنيا و الاخرة ومن المقربين وجميع القران مفصح بمدحه صلى الله عليه وسلم وقربه ومحبته قال الله تعالى اطيعوا الله واطيعوا الرسول ومن يطع الرسول فقد اطاع الله و قوله تعالى قل ان كنتم تحبون الله فاتبعونى وقال تعالى يا ايها النبى انا ارسلناك شاهدا ومبشرا و نذيرا و داعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا وقال تعالى لا تجعلوا دعاء الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضا وقال تعالى و تعزروه و توقروه وهذا توقيره عليه السلام عند القوم حتى جعلوا تصوره اسوء من تصور البهائم و مع ذلك سموا انفسهم اهل الحديث فانا لله وانا اليه راجعون ولما مات ولده صلى الله عليه وسلم قال المشركون صار ابتر فاجاب الله سبحانه عن حبيبه ان شانئك هو الابتر ولما قال ابو لهب للنبى صلى الله عليه وسلم تبا لك الهذا دعوتنا

کے متعلق یہ آیت پڑھتے ہیں کہ کان وجیہا فی الدنیا و الاخرۃ ومن المقربین تو آپکے تصور کو کس قدر قیمتی میں جانتے ہیں۔ انپر ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ سارا قرآن تو حضور علیہ السلام کی تعریف سے پُر ہے اور آپکی تعریف بیان کرتا ہے یا آپکا قرب الٰہی اور محبت الٰہی ظاہر کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ تم اللہ کی اطاعت کرو۔ اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو جو رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے وہی خدا کی اطاعت کرتا ہے۔ آپ کہدیں کہ اگر تم خدا سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری تابعداری کرو اور یہ بھی فرمایا کہ اے نبیؐ ہم نے آپکو اُمت کا نگران حال اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے اور خدا کی طرف بلانیوالا اور روشن چراغ بنا کر مبعوث کیا ہے یہ بھی فرمایا کہ تم رسول علیہ السلام کا بُلاوا اپنے باہمی ایک دوسرے کے بُلاوے کی مانند نہ بناؤ۔ یہ بھی فرمایا کہ تم رسولؐ کی عزت و توقیر کرو۔ تو اب وہابی بیچارہ کیا کرے اور کیسے آپکے تصور کو روک سکتا ہے۔ سخت افسوس ہے کہ خدا تو تعریف کرے اور قوم آپکی یہ عزت کرتی ہے کہ نماز میں آپکے تصور کو بھی ممنوع قرار دیتی ہے اور جانوروں کے تصور سے بھی بدتر جانتی ہے۔ پھر اس قوم نے اپنا نام کیا رکھا ہے؟ اہل حدیث! اناللہ وانا الیہ راجعون۔ جب حضور علیہ السلام کے خلف الرشید حضرت ابرہیم علیہ السلام کا وصال ہوا تھا تو مشرک کہتے تھے کہ آپ ابتر ہو گئے ہیں تو خدا تعالیٰ نے جواب دیا کہ آپ ابتر نہیں بلکہ آپ کے دشمن ابتر ہیں۔ ایک دفعہ آپ نے کوہ صفا پر تبلیغ اسلام کے لئے قریش کو بلایا تھا۔ تو ابو لہب نے اخیر وعظ پر کہا تھا کہ کیا اسی کام کے لئے آپ نے ہمیں دعوت

فغضب الله عليه واجاب عن حبيبه
بقوله تبت يدا ابی لهب وتبّ
والمرجو من المنصفين توازن قول
الوهابية ان تصوّرة صلے الله عليه
وسلم فی الصلوة اسوء من تصور
البهيمة الفلانية بقول ابی لهب
تبًا لك ديرتجرا شنعروا فحش جعل
ابولهب جهنميا بقوله تبّا لك
فكيف يكون حال من تفوه بمثل
ماقالوا لكن الوحي قد انقطع فمن
الذی يرد عليه قوله وقالوا لايجوز
للمصلی ان يقول فی تشهده السلام
عليك ايها النبی ورحمة الله وبركاته
بل يقول السلام علی النبی الخ تحاميا
من لفظ الخطاب المشير الی حضور
روحه عليه الصلوة والسلام قلنا و
لئن سلم ذلك فكيف نصوّره عند
قراءة السلام علی النبی ورحمة الله
وبركاته انصوّره بالتبجيل والتوقير
ام بالاهانة والتحقير عياذا بالله
ان صورناه بالتوقير بطلت قاعدتهم
المقررة فی اول المسئلة وان
صورناه بالتحقير عياذا
بالله هدمنا بناء الاسلام

دی تھی۔ خدا کرے تم جلد تباہ ہو جاؤ۔ اس پر خدا ناراض
ہوا اور اپنے حبیب کی طرف سے جواب دیا کہ ابو لہب کے دونوں ہاتھ
تباہ ہو گئے اور وہ خود بھی تباہ ہو گا۔ اب انصاف پسند
طبائع سے مجھے امید ہے کہ وہ خود قولِ وہابیہ اور قول ابولہب
کا باہمی موازنہ کریں گے (قولِ وہابیہ یہ ہے کہ نماز میں حضور
علیہ السلام کا تصور فلاں بدترین جانور کے تصور سے بھی
زیادہ برا ہے اور ابولہب کا قول یہ ہے کہ اے نبی تو تباہ ہو جائے
اور بتائیں گے کہ کس کا قول زیادہ برا اور بدنام کرنیوالا ہے
اور کس کا نہیں؟ ابولہب کو تو یہ سزا مل چکی کہ تبًّا لک کہکر جہنمی
ہو گیا۔ مگر ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جنہوں نے ایسے گندے
لفظ کہے ہیں۔ افسوس وحی بند ہو چکی ہے ورنہ ابھی فیصلہ
ہو جاتا۔ اب انکا منہ کون توڑ سکتا ہے؟ یہ لوگ یوں بھی کہتے
ہیں کہ نمازی کو تشہد میں یوں کہنا جائز نہیں کہ اے نبی آپ
پر سلام ہو اور آپ پر خدا کی رحمت اور برکت نازل ہو بلکہ یوں
غائب سمجھکر کہے کہ ہمارے نبی پر سلام ہو۔ تاکہ حاضری اور خطاب
کے لفظ سے بچ جائے۔ کیونکہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپکی
روح مبارک حاضر ہو جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب غائب کا
لفظ اختیار کرنے سے آپکی حاضری نہ ہو گی تو بتاؤ کہ جب نمازی
السلام علی النبی کہے گا اور غائبانہ لفظ سے آپ پر سلام و
درود بھیجیگا تو آپکا تصور پھر آئیگا؟ تعظیم و توقیر کی صورت میں یا
معاذ اللہ اہانت و تحقیر کی شکل میں پس اگر وہ تصور عزت و توقیر
کے ساتھ ہو گا تو وہابیوں کا اصول ٹوٹ جائیگا کہ جو شروع مسئلہ
میں مقرر کیا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کا تصور مفسد صلوۃ ہے اور
اور گدھے کے تصور سے نماز نہیں ٹوٹتی اور اگر معاذ اللہ

ارشدونا الی احون البلیتین۔ انتہی۔
ومن تلک المسائل مسئلۃ لفظ السید
قبل اسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالوا
ھذا بدعۃ وما کان مصطلحا فی زمن
خیر القرون اقول الاصطلاحات تتغیر
بتغیر الزمان وھل کانت لفظۃ مولٰینا
وشیخنا وحضرتنا وامثال ذلک مصطلحۃ
فی زمن خیر القرون وفی ھذا الزمان
یستنکف کل من ادنی العلماء ان یخاطب
بمجرد اسمہ ویحسبہ ھتکا لحرمتہ فالنبی
صلی اللہ علیہ وسلم احق بالحرمۃ والتعظیم
من سائر الناس اما قال اللہ تعالٰی فی
حق سیدنا یحیٰی علیہ السلام وسیدا و
حصورا ونبیا من الصالحین وقال
النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا سید ولد
آدم فلفظ السید مرادف فی المعنی للفظ
المولی بل المولی اعلی منہ لانہ
یطلق علی اللہ تعالی قال اللہ تعالی
ذلک بان اللہ مولی الذین آمنوا
وقولہ تعالی نعم المولی ونعم
النصیر۔ ومن تلک المسائل مسئلۃ
اشتراک غیر اللہ تعالی معہ فی الفعل
کما یقال للمعطی ھذا من فضل اللہ
وفضلکم او اعطانی اللہ ورسولہ

تحقیر کے ساتھ اسے تصور کریں تو اسلام کی بنیاد ہی کو اکھاڑ پھینکیں
خدا تعالیٰ مناسب راستہ کی ہمیں ہدایت کرے (انتہی) آہ!
ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ آیا نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے نام سے پہلے سیدنا کا لفظ بڑھانا جائز ہے
یا نہیں؟ مخالفین کہتے ہیں کہ یہ زیادتی بدعت ہے خیر القرون
کے وقت نہ تھی مگر میں کہتا ہوں کہ زمانہ تبدیلی سے محاورات
بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ تم خود بتاؤ کہ کیا مولانا اور شیخنا
حضرتنا وغیرہ کے لفظ خیر القرون میں مستعمل تھے؟ حالانکہ
موجودہ وقت میں جس ذی علم کو صرف نام سے پکارا جائے اور
کوئی تعظیمی لفظ نہ بڑھایا جائے تو آنجناب ناک چڑھا لیتے ہیں اور
اسے اپنی ہتک عزت جانتے ہیں۔ بس اس سے ثابت ہوا
کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھکر عزت و توقیر کے حقدار
ہیں۔ کیا خدا تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حق میں یوں نہیں
فرمایا کہ آپ سید پاکدامن تھے اور نبی صالح تھے اور رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں بنی آدم کا سید ہوں
اور سید کا لفظ مولیٰ کے معنے میں ہے بلکہ مولیٰ کا لفظ سید
سے بھی اعلیٰ ہے کیونکہ سید کا لفظ خدا پر استعمال نہیں ہوتا اور
مولیٰ کا لفظ خدا پر بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ
اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے مالک اور مولیٰ ہیں جو ایمان لائے ہیں
اور یہ بھی اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہترین مالک اور بہترین
مددگار ہیں۔ ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ آیا فعل
خداوندی میں غیر اللہ کو شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً
کسی داتے کو یوں کہنا کہ یہ اللہ کی اور تمہاری مہربانی
ہے۔ یا یوں کہنا کہ یہ چیز مجھے خدا اور خدا کے رسول نے دی ہے

ففيه الحقيقة والمجاز اى اعطانى
الله حقيقة واعطيتنى ظاهرا
وكانت الصحابة رضى الله عنهم
حين يلقى النبى صلى الله عليه وسلم
عليهم سؤالا يقولون الله ورسوله
اعلم فكانوا يشتركون النبى صلى الله
عليه وسلم فى الاعلمية مع الله تعالى
ولا ينكر عليهم احد وقال الله تعالى
براءة من الله ورسوله وقال تعالى
فالله ورسوله احق ان يرضوه ومن
يطع الله ورسوله وقال تعالى وما
نقموا منهم الا ان اغناهم الله ورسوله
من فضله الى غير ذلك من الآيات
لكن الاحتراز عن امثال
هذه الكلمات احسن لعدم
تميز العوام بين الحقيقة و
المجاز ومن تلك المسائل مسئلة
امكان الكذب على الله تعالى
قالوا خلف الوعيد جائز وسموه
امكان الكذب قلنا لا يجوز
نسبة الكذب الى الله
تعالى وخلف الوعيد مكرمة
ولا يسمى كذبا لان الكذب
دناءة قبيحة يستنكف منها

تو جواب یوں ہے کہ ایسے محاورہ میں مجازی طریق استعمال ہوتا ہے اور حقیقی بھی۔ تو فقرہ مذکورہ کا یہ معنی ہوا کہ اصلی طور پر تو خدا نے دیا ہے مگر بظاہر تم نے دیا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی سوال پوچھتے تھے اور صحابی جواب دینا گستاخی سمجھتے تھے تو یوں کہتے تھے کہ اس کا جواب خدا اور خدا کا رسول بہتر جانتا ہے اور اپنے اس جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کے علم میں شریک کر دیتے تھے اور اس جوابی فقرہ کو کسی نے برا نہیں منایا۔ دیکھئے ارشاد ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی مشرکین سے بیزاری ہے یہ بھی فرمایا کہ انکو یہ مناسب تھا کہ خدا اور خدا کے رسول کو راضی کرتے اور یہ بھی فرمایا کہ جو اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرتا ہے۔ وہ بڑی کامیابی پائیگا یہ بھی ارشاد ہے کہ مخالفین کیا یہی برا مناتے ہیں کہ اللہ نے اور اللہ کے رسول نے اہل مدینہ اور مہاجرین کو غنی کر دیا ہے اس قسم کی آیات اور بھی بہت ہیں مگر خلاصہ جواب یہ ہے کہ ایسے اشتراکی لفظوں سے عوام کو بچنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ حقیقت و مجاز میں امتیاز نہیں کرتے۔ اور ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ معاذ اللہ کیا خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ مخالف کہتے ہیں کہ عذابی وعدہ میں جھوٹ بول سکتا ہے اور اس مسئلہ کا نام کمبختوں نے امکان کذب رکھا ہوا ہے ہم جواب دیتے ہیں کہ ذات خداوندی کی طرف جھوٹ کو منسوب کرنا ہی ناجائز ہے اور وعدہ کر کے سزا نہ دینا اسے وعدہ خلافی نہیں کہتے

العباد فكيف بوب العباد و مغفرة المعاصي يوم القيمة عفو و مكرمة لا يسمى كذبا قال الله تعالے بل كذبوا بما لم يحيطوا بعلمه وقال تعالے ويقولون على الله الكذب وهم يعلمون فالخصلة الرديئة التي ذكرها الله تعالى من عادات الكفار كيف يجوز لمسلم ان ينسبها الى الله تعالى فالحاكم ان اوعد اهل الجرائم بالحبس والقتل مثلا فظفر عليهم ثم عفى عنهم بشفاعة احد من خواصه او بلطف منه واطلقهم هل يسمى ذلك الحاكم كاذبا كلا بل عفوه لهم احسان ومكرمة فمن سمى فضل الله تعالے ورحمته على عباده المجرمين كذبا فقد كذب على الله تعالے ومن اظلم ممن كذب على الله او كذب باياته انه لا يفلح المجرمون

بلکہ وہ حصول اختیاری کی تبدیلی ہے اور ایسی خود اختیاری تبدیلی کو کوئی جھوٹ نہیں کہتا۔ کیونکہ جھوٹ ایک لعنت ہے، جس سے انسان بھی نفرت کرتے ہیں تو بھلا خدا تعالی اس سے نفرت کیوں نہ کرینگے؟ پس قیامت کے دن عذاب کی بجائے مغفرت کا استعمال کرنا خدا کا رحم اور مہربانی ہوگی۔ اسے کذب نہیں کہا جائے گا۔ ارشاد ہے کہ کافر اس قرآن کی تکذیب کرتے ہیں جسے وہ خود پورے طور پر نہیں سمجھ سکے۔ پھر ارشاد ہے کہ وہ جانتے ہیں اور جان بوجھکر خدا پر افترا کرتے ہیں۔ ان آیات میں جھوٹ کی لعنت کو خدا تعالے نے کفار کے حق میں ذکر فرمایا ہے کہ یہ انکی عادت ہے پس مسلمان کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ اس لعنت کو اپنے خدا سے نسبت دے تجربہ شاہد ہے کہ جرائم پیشہ گرفتاروں کو حاکم حبس دوام یا قتل کی سزا دیتے ہیں مگر کسی خاص مقرب کی سفارش سے یا اپنی خاص مہربانی سے یا رحم کی درخواست پر انکو معافی بھی دیدیتے ہیں اور رہا کر دیتے ہیں تو کیا اس صورت میں ان حکام کو وعدہ خلاف یا جھوٹا کہا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس معافی کا نام ذاتی اختیار کا استعمال ہے اور احسان اور کمال مہربانی ہے پس حاصل یہ ہے کہ جو شخص اس رحیمانہ سلوک خداوندی کو جو وہ اپنے مجرم بندوں کے حق میں استعمال کریگا کذب کا عنوان دیتا ہے۔ وہ خود خدا پر جھوٹ باندھتا ہے۔ تم خود ہی بتاؤ کہ اس شخص سے بڑھکر اور کون زیادہ ظالم ہو سکتا ہے جو خدا پر جھوٹ باندھے یا اسکی آیات کی تکذیب کرے۔ اصل بات یہ ہے کہ ظالموں کی نجات نہ ہوگی

قالوا الیس اللہ علی کل شیئ قدیر قلنا بلی ولکن قدرۃ اللہ تعالیٰ لا تتوجہ الی المحالات کشریک الباری وغیرہ من المحالات فکف اللسان عن امثال ھذہ الکلمات واجب علی العباد ومن تلک المسائل مسئلۃ الاستمداد من ارواح الصلحاء قالوا لا یجوز الاستمداد الا عن اللہ تعالیٰ ومن استمد من غیر اللہ تعالیٰ فقد اشرک باللہ تعالیٰ قلت الکلام فی ھذہ المسئلۃ من وجہین جواز نفس الاستمداد وعدمہ والنفع من الاستمداد وعدمہ فنفس الاستمداد یعنی طلب المعونۃ شائع ذائع عندھم من الاحیاء فی مقاصدھم الدنیویۃ من تعمیر المدارس وتبلیغ المذاھب واجراء الجرائد فان کان نفس الاستمداد شرکا فقد اشرکوا باللہ تعالیٰ فلا فرق بیننا وبینھم فی نفس الاستمداد غیر انھم یستمدون من الاشباح الفانیۃ ونحن نستمد من الارواح الطیبۃ الباقیۃ واما النفع من الاستمداد فبارادۃ اللہ تعالیٰ ان اراد نفعنا الارواح الطیبۃ ونفعھم الاشباح الفانیۃ وان لم یردہ ما نفعنا

مخالف اعتراض کیا کرتے ہیں کہ کیا خدا ہر شے پر قادر نہیں تو جھوٹ پر کیوں قادر ہوگا (جواب) بیشک صحیح ہے لیکن قدرت الٰہیہ ناممکن اور نامناسب امور کیطرف متوجہ نہیں ہوا کرتی۔ چنانچہ خدا اپنا شریک پیدا نہیں کرتا۔ اور اسی طرح کے اور نا واجب کام نہیں کرتا۔ پس ایسے بکواسات سے انسان کا فرض ہے کہ اپنی زبان کو روک رکھے۔ ان مسائل میں سے استمداد کا مسئلہ بھی ہے جو صلحاء کی روحوں سے کی جاتی ہے۔ مخالف کہتے ہیں کہ ناجائز ہے اللہ کے سوا اور جو اللہ کے سوا کسی اور سے استمداد کرتا ہے وہ خدا سے شرک کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اسپر دو طریق سے بحث ہے اوّل صرف استمداد اور عدم استمداد پر۔ دوم استمداد سے نفع یا عدم نفع پر۔ پس نفس استمداد یعنی کسی سے امداد طلب کرنا۔ تو وہ زندوں سے عام طور پر حاصل کیجاتی ہے اور کثیر الاستعمال اور مشہور ہے چنانچہ مخالف بھی دنیاوی امور میں (مثلاً تعمیر مدارس، تبلیغ مذہب وغیرہ اور اجرائے اخبارات) میں انکے ہاں بھی پائی جاتی ہے تو اگر صرف استمداد ہر طرح سے شرک ہے تو مخالف خود شرک کر رہے ہیں اور نفس استمداد میں ہمارے اور انکے درمیان کوئی فرق نہیں مگر یہ فرق ضرور ہے کہ وہ فانی جسموں سے استمداد کرتے ہیں اور ہم پاک اور غیر فانی ارواح سے استمداد کرتے ہیں۔ مابعد ہا استمداد سے نفع تو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اگر چاہے تو ہم کو ارواح طیبہ نفع دیتے ہیں اور ان کو فانی جسم نفع دیتے ہیں اگر وہ نہ چاہے

وما نفعهم وان قالوا نحن نستمد
من ابدان الاحياء وانتم تستمدون
من ارواح الاموات نقول انتم
كذالك تستمدون من الارواح
لان المعطی والمانع هو الروح فی
جسد كان او خارجا من الجسد
انتهى- ومن تلك المسائل مسئلة
تسمية بعض الناس اولادهم
منسوبين الى الانبياء والصلحاء
فهم يحكمون بالشرك على من سمى ولده
نبی بخش اور رسول بخش او غلام محمد
او غلام الصديق واشباه ذلك
قالوا معطی الاولاد هو الله تعالے
لا يجوز لاحد ان يضاف اسم ولده
الى غيره تعالى والغلام بمعنى العبد
وكلنا عباد الله لا يجوز اضافة العبدية
الى غيره تعالى قلنا سلمنا ان المعطی
والمانع هو الله تعالى حقيقة لكن
اضافة العطاء الى غيره تعالے
جائز مجازا كما قال جبرئيل عليه السلام
لمريم العذراء لاهب لك غلاما زكيا
وما قال ليهب الله تعالى لك غلاما زكيا فاذا
جاز ان يهب جبرئيل عليه السلام غلاما فلم
لا يجوز ان ينسب العطاء للنبی صلى الله عليه وسلم

تو نہ ہم کو ان سے نفع ہوتا ہے نہ انکو۔ اب اگر وہ یوں
کہیں کہ ہم تو زندوں کے بدن سے استمداد کرتے ہیں اور تم
مُردوں کی روحوں سے استمداد کرتے ہو تو ہم کہتے ہیں کہ
در اصل تم بھی ارواح سے ہی استمداد کرتے ہو۔ کیونکہ در
حقیقت دینے والا یا روکنے والا روح ہی ہے خواہ
وہ جسم سے خارج ہو یا اسمیں داخل ہو۔ انتہی۔ ان
مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ کچھ لوگ اپنے بچوں کے
نام انبیاء علیہم السلام یا صلحائے اُمت کیطرف
منسوب کردیتے ہیں مگر مخالف اس شخص پر شرک کا
فتوے لگا دیتے ہیں جو اپنے بچوں کا نام نبی بخش،
رسول بخش یا غلام محمد یا غلام صدیق یا اسی قسم کا
اور نام رکھے کیونکہ اولاد دینے والا خدا ہی ہے
اور یہ جائز نہ ہوگا کہ اپنے بچے کا نام غیر اللہ کیطرف منسوب
ہو اور غلام عبد کے معنے میں ہے اور ہم سب عباد
اللہ ہیں اور عبدیت کی نسبت غیر اللہ کیطرف جائز
نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مان لیا کہ معطی اور مانع در حقیقت
خدا ہی ہے مگر تاہم عطیہ کو غیر اللہ کیطرف منسوب کرنا
مجازی طور پر جائز ہوتا ہے کیونکہ حضرت جبرئیل نے
حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آکر یوں کہا تھا
کہ میں تمکو پارسا لڑکا بخشنے آیا ہوں اور یوں نہیں
کہا تھا کہ اسلئے آیا ہوں کہ خدا تمکو لڑکا بخشیگا جو
پارسا ہوگا۔ تو جب جبرئیل علیہ السلام لڑکا دیسکتے
ہیں تو کیوں حضور علیہ السلام کیطرف یہ عطیہ منسوب
کرنا مجازی طور پر جائز نہ ہوگا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے

مجازا فان قيل ذلك كان بامر الله
تعالى قلنا سلمنا انه كان بامر الله
تعالى لكنه فتح لنا باب الجواز
واما الغلام وان كان بمعنى
العبد فى اصطلاح الفرس
فاى قباحة فى تشبيه الاولاد
بعبيد الصلحاء من الانبياء
والصحابة والصالحين اما كان
لهم عبيد اما كانوا ينسبون
عبيدهم لانفسهم بقولهم
عبدى و امتى اما قال الله تعالى
من عبادكم واماتكم فالعبيد
والناس جميعا عباد الله حقيقة
والعبيد عبيد لمالكيهم
مجازا كما بيّنا كثرة استعمال
المجاز فى القرآن فى اول الكتاب
كذلك اولاد الناس عبيد الله
حقيقة و عبيد للصلحاء مجازا
انتهى. ولكن هذا اخر ما
اردنا تحريره فى هذا المقام
اللهم انك تعلم انى ما
اردت بهذا التحرير الا اصلاح
عقائد المسلمين عن الزيغ والضلال
فان كان صوابا فمنك ولك المنة
١٤ محرم الحرام ١٣٦٠ دوشنبہ

کہ قولِ جبرئیلؑ تو امرِ الٰہی تھا اور تمکو کس نے حکم دیا
ہے تو جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بیشک
قولِ جبرئیلؑ امرِ الٰہی تھا۔ مگر اس نے ہمارے واسطے جواز
کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اب رہا لفظ غلام تو اگرچہ
وہ فارسی محاورہ میں عبد کے معنے میں ہے۔ تاہم اپنے
بچوں کو صلحاء کے غلاموں کے ساتھ تشبیہ دینے میں
کیا قباحت ہوگی اور صلحاء سے مراد نبی ہیں اور صحابہ
اور اُمتِ محمدیہ کے نیک بندے۔ کیا انکے پاس خود
اپنے غلام نہ ہوتے تھے یا انکو اپنی ذات سے منسوب نہ
کرتے تھے؟ اور یوں نہ کہتے تھے کہ اے میرے بندے
اور اے میری لونڈی کیا خدا نے انکو اپنی سے منسوب
نہیں کیا کہ تم اپنے بندوں اور اپنی بندیوں کے نکاح
کرا دیا کرو پس حقیقت میں تمام غلام اور تمام آزاد لوگ
خدا کے بندے ہیں اور غلام اپنے آقاؤں کے مجازی
طور پر بندے ہیں چنانچہ ہم نے اس کتاب کے آغاز میں
قرآن مجید میں کثرت کیساتھ حقیقت و مجاز کا استعمال
ذکر کردیا ہوا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس لوگوں کے بچے
حقیقت میں اللہ کے بندے ہیں اور صلحائے اُمت
کے مجازی طور پر بندے ہیں۔ انتہیٰ۔ یہ ہماری تحریر
کا آخری مقام ہے جس کا ہم نے ارادہ کیا تھا۔ یا اللہ
تُو جانتا ہے کہ میں نے اس تحریر سے اور کوئی ارادہ نہیں کیا سوا
اس کے کہ مسلمانوں کے عقائد کجروی اور گمراہی سے
درست ہوں۔ پس اگر یہ تحریر تیری طرف سے ہے تو میں
تیرا احسان اور فضل مانتا ہوں۔ تو اس سے اپنے

İşbu (**El-akâid-üs-sahîha fî-terdîd-il vehhâbiyye**) kitabında, Sü'ûdî Arabistan hükümetinin dîni olan vehhâbîlik inanışlarından bir kısmı yazılıp, bunların yanlış ve bozuk oldukları vesîkalarla isbât edilmişdir. Kitabı, imâm-ı Rabbânî hazretlerinin soyundan Muhammed Hasan Can sâhib yazmış, 1346 hicrî ve 1928 mîlâdî senesinde Pakistanda Haydarâbâd şehrinde vefât etmişdir. Birinci baskısı 1941'de, Hindistanda Emretser şehrinde yapılmışdır. Arabca olup, urdu dilinde tercemesi ile birlikdedir. İçinde Osmanlıca yazı hiç yokdur.

IŞIK KİTABEVİ

KUŞAK Matbaacılık ve Ambalaj Sanayii

PRICE 10 TL.